جلد 14 شمارہ 12 نومبر 2012ء ذی الحج 1433ھ

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا

اللّٰہ

محبّت

صداقت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباعِ رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لا حاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

فلاحِ آدمیت

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

نگران وسرپرست
محمد صدیق ڈارؒ
توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0300-6493335

شیخ سلسلہ ومدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835/055-4005431

فیکس نمبر: +92-55-3736841 ای میل: info@toheedia.net

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے — سالانہ فنڈ -/300 روپے

﴿اس شمارے میں﴾

☆☆☆

درسِ قرآن (سورۃ البقرہ آیت 9-208)

سیّد قطب شہیدؒ ترجمہ: مولانا ساجد الرحمٰن صدیقی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ ادْخُلُواْ فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلاَ تَتَّبِعُواْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ (208) فَإِن زَلَلْتُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (209)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ۔ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ پھر روشن دلیلیں آجانے کے بعد تم پھسل گئے تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔

پورا اسلام اپنانے کی دعوت:

دین اسلام ایک مستقل ضابطہ حیات اور مکمل دستور زندگی ہے۔ یہ انسان کی ذہنی، روحانی اور مادّی ترقی کا ضامن ہے۔ لیکن اس کی برکتیں تب رونما ہوسکتی ہیں جب اس کے ماننے والوں کے عقائد، نظریات، علوم، طور طریقے، رسم و رواج، انفرادی و اجتماعی زندگی کے معاملات سب کچھ اسلام کے مطابق ہوں۔ مومنین کو اس نام سے پکارا جارہا ہے جو انہیں تمام انسانیت میں ممتاز کرتا ہے اور ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کرتا ہے اور مومنین کو "اہل ایمان" کہہ کر انہیں دعوت دی جارہی ہے کہ وہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجائیں۔ اس دعوت ایمانی کا بنیادی اور اوّلین تقاضہ ہی یہ ہے کہ اس کے پیروکار اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیں اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع کریں اور کوئی تصوّر، کوئی شعور، کوئی نیت اور کوئی عمل ایسا باقی نہ رہے جو اللہ کی اطاعت اور خوشنودی سے ذرا بھی ہٹا ہوا ہو، ان کا ہر قدم اللہ کے حکم کے مطابق اُٹھے اور وہ اس بات پر مطمئن ہوں کہ وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں اور یہی صراطِ مستقیم اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی صاف سیدھی اور سچی راہ ہے

اور یہی دُنیاوی فلاح اور اُخروی کامرانی کا واحد راستہ ہے۔ اہل ایمان کو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونے کی اس نصیحت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس وقت کچھ لوگوں کے دلوں میں اطاعت کے بارے میں تردّد تھا۔ اور ایسا ہونا ایک طبعی امر ہے کہ جہاں پختہ اعتقاد رکھنے والے ثابت قدم لوگ ہوں وہاں کچھ اس راہ پر چلنے میں متردّد بھی ہوں۔ اسی لئے مومنین کو کہا جاتا ہے کہ وہ اسلام کے تمام ضابطوں اور قوانین پر عمل پیرا ہو جائیں۔ اس کا کوئی گوشہ ترک نہ ہو اور ملت اسلامیہ کا کوئی فرد اس کو اپنانے سے گریز نہ کرے۔ اور پورے کے پورے اسلام میں اس طرح داخل ہو جائیں کہ ان کے دلوں میں گزرنے والے خیالات اور ان کے شعور کی تمام سمتیں اللہ کی رضا اور نبی کریم ﷺ کے حکم مطابق ہو جائیں۔

جب اہل ایمان دعوت ایمانی کو اس طرح قبول کر لیں، تو ان کی ساری زندگی سلامتی اور ان کا سارا ماحول سلامتی ہے۔ ان کے ماحول میں اعتماد و اطمینان ہے۔ رضا و خوشنودی ہے۔ حیرت و اضطراب اور گمراہی اور بے راہ روی کی کوئی گنجائش نہیں۔ بلکہ سلامتی ہے نفس اور ضمیر کی، سلامتی ہے عقل کی، سلامتی ہے زندگیوں اور رجانوں کی، یہاں سارا وجود سلامتی ہے۔ سارا عالم سلامتی ہے۔ یہ سلامتی دلوں کو ٹھنڈک پہنچاتی ہے۔ اس سلامتی کا سوتا قلب انسانی سے پھوٹتا ہے۔

جب مسلمان اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتا ہے تو وہ گویا سرچشمہ کائنات کے سامنے جھکتا ہے۔ اس عظیم طاقت کی پناہ میں آ کر اسے ہر طاقت ہیچ معلوم ہوتی ہے، وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا، اللہ کے سوا کسی کے آگے نہیں جھکتا۔ وہ کسی چیز کے ضائع ہو جانے سے پریشان نہیں ہوتا اور کسی ایسی طاقت کے سامنے اپنی حاجات نہیں رکھتا جس میں نہ دینے کی قوت ہے اور نہ محروم رکھنے کی طاقت۔ مومن جب اپنے مولیٰ کے سامنے جھکتا ہے تو اس کو ایک ایسا مضبوط سہارا مل جاتا ہے جس میں انصاف ہے، تحفظ ہے اور وہ اللہ کی رحمتوں کے سائے تلے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے۔

جب مومن کا اللہ اور بندے، خالق اور کائنات کے بارے میں تصوّر صحیح ہو جاتا ہے تو اسکے قلب میں سلامتی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے اس کائنات اور اسکی ہر شئے کو

ایک مقدار اور حکمت سے پیدا فرمایا ہے۔اور انسان کو بالارادہ ایک مقصدِ عظیم کی تکمیل کیلئے پیدا فرمایا ہے۔اس کے وجود کے مناسب کائنات میں ہر چیز فراہم کردی ہے۔تمام کائنات کو اس کے تابع بنادیا اور انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز ومکرم ہے،روئے زمین پر اس کا نائب اور خلیفہ ہے۔

بندہءمومن شعوری طور پر اللہ کی تقدیر کے مطابق اس کی اطاعت میں لگا ہوا ہے تاکہ ارادہ الٰہی کی تکمیل ہو،یہ شعور مومن کے دل میں اطمینان اور سلامتی پیدا کرتا ہے۔اسے حیرت و اضطراب سے بچاتا ہے۔وہ راستے کی دشواریوں سے نہیں اُکتاتا،اللہ کی مدد ونصرت سے نا اُمید نہیں ہوتا اور اسے اپنی محنتوں کے ضائع ہوجانے کا خطرہ نہیں ہوتا۔

اسلام نے جو فرائض اور ذمہ داریاں انسان کے سپرد کی ہیں وہ سب فطرت اور انسانی قدرت و طاقت کے مطابق ہیں اور انسانی طبیعت اور ساخت سے ہم آہنگ ہیں۔اسلام نے انسان کی کسی قوت کو نظر انداز نہیں کیا اور نہ اسکی کسی جسمانی یا روحانی ضرورت کو تشنہ کام چھوڑا ہے۔اس لئے وہ حیرت وقلق واضطراب سے دوچار نہیں ہوتا بلکہ اپنے راستے میں اطمینان اور سلامتی کے ساتھ رواں دواں رہتا ہے۔مومن سلامتی کو پھیلاتا اور روحِ سلامتی نچھاور کرتا ہے۔

اگر اپنے آپ کو مکمل طور پر اسلام کے تابع نہیں بنائیں گے تو اسی کا نام شیطان کے قدموں کی پیروی ہے جو ہر وقت مومن کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے،غلط اور گمراہ کن عقائد میں مبتلا اور برے کاموں کو خوش نما بنا کر ان پر آمادہ کرنے کے لئے مستعد رہتا ہے۔

جو لوگ اسلام کے انسانی زندگی کے ہر پہلو میں واضح احکام آجانے کے بعد اسلام میں پوری طرح داخل نہ ہوئے اور دوغلی پالیسی اختیار کی اور جن احکام پر چاہا عمل کرلیا اور جہاں کوئی بات طبیعت کو ناگوار محسوس ہوئی یا کسی نقصان کا خطرہ محسوس ہوا وہاں اپنی مرضی کرلی اور اسلام کے احکام کو پسِ پشت ڈال دیں تو خوب سمجھ لو! اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے حکمت والا ہے وہ سزا بھی دے سکتا ہے،ذلیل وخوار بھی کرسکتا ہے اور دنیا کی حکمرانی تمہارے سوا کسی دوسرے کو بھی دے سکتا ہے۔

قرن اوّل میں مسلمانوں کی ترقی

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

مسلمانوں کے زوال کی وجوہات معلوم کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرن اوّل میں ان کی ترقی کے اسباب دریافت کئے جائیں اور دیکھا جائے کہ وہ کون سے اصول تھے جن پر عمل کر کے اُس زمانہ کے مسلمانوں نے ترقی کی تھی اور یہ کہ اس زمانہ میں بھی ہم ان اصولوں پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ جب ہم اس نظر سے تاریخ اسلامی کے پہلے باب پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سرور عالم ﷺ کی پیدائش سے پہلے ملک عرب دنیا کا سب سے کمزور، جاہل اور پسماندہ ملک تھا، لیکن حضور ﷺ کی بعثت کے بعد سو برس کے اندر اندر عربوں نے دنیا کے بہترین آدھے حصے پر قبضہ کیا اور باقی آدھے پر اپنی سیاست قائم کر لی جس طرح آج امریکہ اور یورپ کے چند ممالک نے قائم کر رکھی ہے۔ عربوں نے ان ملکوں پر قبضہ ہی نہیں کیا بلکہ اس نئی تہذیب کو بھی وہاں پھیلایا جو قرآن کریم کی تعلیم سے وجود میں آئی تھی۔

تاریخ عالم کا یہ واقعہ ایسا عجیب ہے جس کی مثال موجود نہیں۔ یورپ کے اکثر مورخین اور محققین نے اس ترقی کے اسباب کی تحقیق و تلاش میں عمریں صرف کر دیں لیکن یہ لوگ چونکہ فخر کائنات ﷺ کی روحانیت اور صداقت کے قائل نہیں تھے اس لئے انہوں نے قرآنی تعلیم کے صرف نفسیاتی پہلو پر نظر کی اور وہ اصول معلوم کر لئے جو اس بظاہر سیدھی سادی تعلیم میں اس طرح چھپے ہوئے ہیں جیسے درختوں کے رگ و ریشہ میں پانی۔ اور حق تو یہ ہے کہ یورپ کی ترقی کے بنیادی اصول وہی ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر قرن اوّل کے مسلمانوں نے ترقی کی تھی۔ برخلاف ازیں جب خود مسلمان اپنے قرن اوّل کی تاریخ کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ اس محیر العقول ترقی کے اسباب معلوم کریں تو ان کی آنکھیں حضور ﷺ کی روحانی تابناکیوں یعنی معجزات و خوارق عادات سے خیرہ ہو کر رہ جاتی ہیں اور وہ یہ نہیں دیکھ سکتے کہ نفسیاتی لحاظ سے اس تعلیم میں وہ کون سی

طاقتیں پوشیدہ ہیں جو مردوں کو زندہ اور زندوں کو زندہ جاوید بنا دیتی ہیں۔ ہمارے خیال میں یورپ میں مادّی فروغ اور روحانیت کے فقدان کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اس نے تعلیم اسلام کا مطالعہ روحانی نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ مادی عینک لگا کر کیا ہے۔ اسی طرح موجودہ مسلمانوں کے زوال کا سبب بھی یہ ہے کہ وہ قرآن کا مطالعہ روحانی کرشمہ سازیوں کی روشنی میں کرتے ہیں، مادی افادیت کے خیال سے نہیں کرتے۔

ہر قوم کو ذہنی قابلیت کے لحاظ سے کم از کم تین حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے، طبقہ اعلیٰ، طبقہ اوسط اور طبقہ ادنیٰ۔ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ترقی دینا چاہتا ہے تو اس میں ایک ایسا آدمی پیدا کر دیتا ہے کہ طبقہ اوّل کی غالب اکثریت دل و جان سے اس کی پیرو بن جاتی ہے۔ اب یہ لوگ اسی کی ہاں پر "ہاں" اور نہیں پر "نہیں" کہتے ہیں، اسی کے اٹھائے اٹھتے اور بٹھائے بیٹھتے ہیں، اسی کے اشاروں پر جیتے اور اسی کے حکم پر مر جاتے ہیں۔ اس طرح ایک ایسی منظّم جماعت وجود میں آتی ہے جو اپنے اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار کی وجہ سے ساری قوم میں ہر دلعزیز اور معزز بن جاتی ہے۔ طبقہ اوسط کی اکثریت اس جماعت کی ہر طرح تقلید اور مدد کرتی ہے اور طبقہ ادنیٰ کی تعداد کثیر بھی انہی کے نقش قدم پر چلنے لگتی ہے اس طرح پوری قوم میں ایک انقلاب آ جاتا ہے۔

قوم عرب کے طبقہ اعلیٰ کی قیادت اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم محمد رسول اللہ ﷺ کے سپرد کی تھی آپ ایک طرف تو ذاتی شرافت، اخلاق اور دانائی کی وجہ سے افضل البشر تھے، دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعے وہ تعلیم دی تھی جو نہ صرف قوم عرب بلکہ تمام جہان کے باشندوں کی فلاح و بہبود اور آئندہ امن و ترقی کے لئے ضروری تھی۔ چونکہ حضور ﷺ آخری نبی اور قرآن آخری آسمانی کتاب ہے، اس لئے اس میں دنیا اور عقبیٰ دونوں کے متعلق وہ تمام طریقے بیان کر دیے گئے ہیں جو قیامت تک نوع انسان کی دنیاوی ترقی اور نجاتِ اُخروی کے لئے ضروری ہیں۔ یہ سچ ہے کہ قرآن میں صرف اصول بیان کئے گئے ہیں، تفصیلات نہیں دی گئیں لیکن قرآن کا سب سے بڑا معجزہ ہی یہ ہے کہ انسانی دماغ پستی یا بلندی کی کسی حد تک پہنچ جائے، کیسی ہی

ایجادات ہو جائیں انسان اُڑ کر دوسرے سیاروں میں جا پہنچے، امن و امان سے زندگی گزارنے، دنیاوی ترقی کرنے اور مرنے کے بعد دوسرے جہان میں آرام و آسائش حاصل کرنے کے جو اصول قرآن میں بتائے گئے ہیں وہ ہمیشہ صحیح رہنمائی کرتے رہیں گے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ دنیاوی ترقی کے لئے قرآن میں وہ کون سے اصول بتائے گئے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر اس جماعت نے ترقی کی جس کو رسول خداﷺ نے خود مرتب اور منظم کیا تھا۔ اس جماعت میں حضورﷺ کے صرف وہ صحابیؓ شامل تھے جو آپ کا زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرنے کی وجہ سے آپ کی صحبت اور تعلیم سے اوروں کی نسبت زیادہ فیضیاب ہوئے تھے۔ ان صحابہ کبارؓ کی تعداد چند سونفوس سے زیادہ نہ تھی، لیکن یہی وہ طبقہ اعلیٰ تھا جو تمام عرب کا دل و دماغ تھا۔ طبقہ اوسط میں وہ لوگ شامل تھے جو خدا پر کامل تو نہیں مگر اچھا ایمان رکھتے تھے اور قرآنی احکام کی طبقہ اعلیٰ سے کچھ کم مگر طبقہ ادنیٰ سے بہت زیادہ پابندی کرتے تھے۔ طبقہ ادنیٰ میں تین قسم کے آدمی تھے، ایک وہ جو اگرچہ صدق دل سے مسلمان ہوئے تھے لیکن ایمان و عمل میں کمزور تھے دوسرے وہ جو سطوت و شوکت اسلامی کو دیکھ کر مجبوراً یا لالچ سے مسلمان ہوئے لیکن آخر میں سچے دل سے ایمان لے آئے، تیسرے وہ جو محض منافق اور در پردہ اسلام کے دشمن تھے مگر حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک ان کی کچھ پیش نہ گئی اور وہ جماعت وجود میں آگئی جو اجتماعیت کے تمام اصولوں پر ہر لحاظ اور ہر زاویہ سے پوری اترتی تھی۔ وہ اصول کیا تھے؟ یوں تو اس جماعت کے افراد قرآن کے تمام احکام پر ہی سختی سے عمل کرتے تھے مگر ہم یہاں صرف ان اصولوں کا ذکر کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے جماعت بندی کے ذریعہ سے قومی ترقی کے لئے قرآن میں مقرر فرمائے ہیں، یہ اصول پانچ ہیں:۔

1۔ ایمان۔ یعنی یقین محکم 2۔اتحاد۔ یعنی باہمی محبت اور اخوت
3۔رابطہ۔ یعنی تنظیم 4۔اطاعت۔یعنی ضابطہ کی پابندی (ڈسپلن)
5. عمل۔ یعنی کام کرنے کی بے پناہ قوت اور اس کا استعمال

یہ پانچ باتیں ایسی ہیں کہ جب تک منتشر افراد کے کسی گروہ میں اکٹھی نہ ہو جائیں وہ جماعت کی شکل میں منظم نہیں ہوسکتا۔اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جس قدر کسی جماعت کے افراد ان اصولوں پرسختی سے عمل کرتے ہیں اتنی ہی وہ جماعت مضبوط اور طاقتور ہوتی ہے۔اب ہم ان اصولوں کا بیان الگ الگ اور کسی قدر تفصیل سے کرتے ہیں:۔

ایمان

ہر جماعت کی بنیاد چند ایسے عقلی، ذہنی، وجدانی یا روحانی نظریات معتقدات پر قائم ہوتی ہے جن پر اس جماعت کے ہر فرد کو بدرجہ مسلمات یقین و وثوق ہوتا ہے۔یعنی یقین و وثوق جس قدر پختہ اور کامل ہوا سی قدر یہ جماعت زیادہ مضبوط اور طاقتور ہوگی ،یعنی باقی چار اصولوں پر سختی اور پابندی سے عمل کرے گی ۔صحابہ کبارؓ کی جس جماعت کا ہم نے ذکر کیا ہے اس کا بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ اس کائنات کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے پیدا کیا ہے۔یہ ہدایات وحی کے ذریعے نازل ہوئی تھیں۔جن کے مجموعے کا نام قرآن ہے۔اس عقیدے کے بظاہر تین حصے ہیں اللہ تعالیٰ ،رسول ﷺ اور قرآن ،لیکن اصل صرف اللہ ہے کیونکہ اسی نے محمد ﷺ کو پیدا کیا اور اسی نے قرآن نازل فرمایا۔اس لئے اس عقیدے کی اساس اللہ اور صرف اللہ ہے جو ذات و صفات میں ہر لحاظ سے یکتا اور اپنی مخلوق پر ہر طرح قادر ہے۔اسی وجہ سے اس عقیدے کو عقیدہ توحید کہتے ہیں۔

توحید

تاریخ شاہد ہے کہ جس قوم نے عقیدہ توحید اختیار کیا وہ اتنی جلدی ترقی کرگئی کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے ۔مثال کے طور پر پروٹسٹنٹ فرقے کو لیجئے عیسائی قوموں کی ترقی اسی فرقہ کے وجود

میں آنے کے بعد شروع ہوئی۔اسی طرح آریہ سماجی فرقے کو دیکھئے جو پچھلی ہی صدی میں پیدا ہوا۔ یہ فرقہ ایک خدا کو ماننے کا مدعی ہے۔دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس فرقے کی توحید، اسلامی توحید کے مقابلے میں اتنی بھی حیثیت نہیں رکھتی جتنی سونے کے مقابلہ میں پیتل، کیونکہ یہ لوگ خدا کو قادر قیوم مانتے ہوئے خدا کے ساتھ روح اور مادے کو بھی ازلی اور ابدی مانتے ہیں۔باوجود ازیں اس نقلی توحید کے عقیدے نے بھی ہزاروں سال کے سوئے ہوئے ہندوؤں کو بیدار کرنے اور ان میں اتحاد و عمل کی روح پھونکنے میں جو مدد دی ہے وہ ان ارباب نظر و فکر سے پوشیدہ نہیں جنہوں نے ہندوؤں کی موجودہ بیداری کے اسباب پر غور کیا ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس عقیدے میں وہ کونسی طاقت پوشیدہ ہے جس کی وجہ سے یہ جماعتی اور قومی ترقی میں اس قدر سریع الاثر اور قوی العمل ثابت ہوتا ہے تو اس کی کئی وجوہات ہیں۔اوّل تو یہ کہ جو چیز ہمیشہ نظر کے سامنے رہے اس کی عظمت اور وقعت دل سے جاتی رہتی ہے۔اللہ چونکہ نظر نہیں آتا اس لئے اس کی عظمت کبھی کم نہیں ہوتی، دوسرے یہ کہ جو چیز سامنے رہتی ہے انسان اس کی صفات و عادات اور ماہیت سے رفتہ رفتہ واقف ہو جاتا ہے۔اللہ چونکہ نظر نہیں آتا انسان اس کی ذات و صفات کی حقیقت سے کماحقہ، کبھی بھی واقف نہیں ہو سکتا، اس لئے ہمیشہ خوف و رجاء کی حالت میں رہتا ہے جس کی وجہ سے نہ تو بے پرواہ ہونے پاتا ہے، نہ نا اُمید۔تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ماننے والا جانتا ہے کہ کفار و مشرکین کے معبودان باطل بھی اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اس لئے وہ نہ تو ان معبودوں سے ڈرتا ہے اور نہ ان کے ماننے والوں سے۔بدیں وجہ ان کے مقابلہ میں ہمیشہ زبردست رہتا ہے۔چوتھے یہ کہ مومن چونکہ سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ تو کسی کے آگے سر جھکاتا ہے نہ کسی سے مدد کی امید رکھتا ہے، اس لئے اس کی ذہنیت کبھی غلامانہ نہیں ہو سکتی۔پانچویں یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ماننے والوں کی قوت عمل کبھی کم یا مفقود نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود آ کر کسی کا کام نہیں کرتا بلکہ صرف عمل کرنے والوں کی نصرت و مدد فرماتا ہے، اس لیے وہ اس کی نصرت کی امید پر مصروف عمل رہتے ہیں اور اپنی کامیابی پر ہمیشہ یقین رکھتے ہیں۔

برخلاف ازیں جولوگ ارباب من دون اللہ مثلاً جھوٹے پیروں،فقیروں وغیرہ کو مانتے ہیں وہ چونکہ ان کو اپنی آنکھوں کے سامنے موجود دیکھتے ہیں، اس لئے خود عمل نہیں کرتے بلکہ یہ سمجھ کر بے فکر ہو جاتے ہیں کہ پیر صاحب کے تعویز گنڈے یا دعا سے خود ہی سب کام ہو جائیں گے، ہم کو مشقت میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس طرح ان کی قوت عمل بالکل جاتی رہتی ہے۔ چھٹا سبب روحانی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والوں کے قلب میں ایک ایسی حرارت اور برقی طاقت پیدا ہو جاتی ہے جس کے جوش میں وہ بڑی سے بڑی مشقت اور مصیبت کو بھی ہنستے کھیلتے برداشت کر لیتے ہیں اور کبھی تھکتے نہیں۔ ساتویں یہ کہ ان مومنوں کو چونکہ یقین ہوتا ہے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کرتے رہے تو اس دنیا میں بھی کامیاب ہوں گے اور اس جہان میں بھی ہمیں اچھی سے اچھی جنتیں اور لازوال نعمتیں میسر آئیں گی اس لئے وہ اس کے راستے میں کسی ایثار و قربانی سے منہ نہیں موڑتے۔ وہ اپنے مال و دولت کی آخری کوڑی صرف کرتے وقت بھی یہ نہیں سوچتے کہ کل کھانے کو کہاں سے آئے گا۔ مال و دولت کا تو ذکر ہی کیا جان بھی دینی پڑے تو اس خوشی سے دے دیتے ہیں گویا پردیس سے اپنے وطن جارہے ہیں برخلاف ازیں جن لوگوں کے نظریات و عقائد کی بنیاد ایسی ہستیاں ہوں جن کے عیوب و نقائص عقلاً ثابت ہو سکتے ہوں یا جن کی شکست و ریخت آنکھوں سے نظر آ سکتی ہو، ان پر جب اپنے معبودوں کے نقائص ظاہر یا ثابت ہو جائیں یا جب وہ بچشم خود ان کو فنا ہوتے دیکھ لیں تو ان کا عقیدہ کسی طرح قائم نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ جب کبھی ایسا کوئی واقعہ پیش آئے تو ان لوگوں کا یقین ختم اور اجتماعی قوت فنا ہو جاتی ہے۔ توحید پرست مسلمانوں کو جب بھی بت پرست اور مشرک اقوام سے واسطہ پڑا یہی نتیجہ نکلا۔ ہندوستان میں مسلمان حملہ آوروں کی مٹھی بھر فوجوں نے ہندوؤں کے لاتعداد لشکروں کو کیوں شکستیں دیں محض اس وجہ سے کہ دہلی، متھرا، کانگڑہ اور سومنات وغیرہ میں اپنے معبودوں کو تباہ ہوتے دیکھ کر ان کا بنیادی عقیدہ فنا اور ان کی اجتماعی قوت ختم ہو چکی تھی۔ جب تک مسلمانوں میں توحید پرستی باقی رہی وہ کہیں اور کبھی مغلوب نہ ہوئے لیکن جیسے جیسے یہ ایمان کم ہوا

وہ بھی کمزور ہوتے گئے اور جب توحید پرستی کی جگہ ان میں اشخاص پرستی، پیر پرستی، قبر پرستی، تعزیہ پرستی، زر پرستی، حکام پرستی اور دیگر پرستیاں پیدا ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی طرف سے منہ موڑلیا اور پستی و ذلت کے اس غار میں چھوڑ دیا جہاں پڑے ہوئے وہ آج اغیار کا منہ تک رہے ہیں بہر حال یہ تو تھی محض ایک نفسیاتی توجیہہ۔ حقیقت یہ ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ پر واقعی یقین کامل ہوتا ہے وہ یقیناً اس کی محبت اور شفقت کو دل سے محسوس کرتے اور اس کی امداد و نصرت کو آنکھوں سے نازل ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کیسی ہی مصیبتیں آن پڑیں ان کے پائے استقلال کو لغزش نہیں ہوتی۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ مصائب ان کو تکلیف دینے کے لئے نہیں بلکہ ان کے کردار کو پختہ اور کامل بنا کر اپنی نعمتوں کا اتمام کرنے کے لئے نازل فرماتا ہے۔ اس ایمان کی وجہ سے ان کے دلوں میں اطمینان و مسرّت کے وہ سمندر ٹھاٹھیں مارتے ہیں جن کے سامنے دنیا کے تمام مصائب و آلام پر کاہ جتنی بھی وقعت نہیں رکھتے۔ پچھلے اقران و ادوار کا تو کہنا ہی کیا اس گئے گزرے زمانہ میں بھی جب کبھی کفر و شرک کا مقابلہ کسی توحید پرست سے ہوا ہے تو دنیا اسکے محیر العقول کارنامے دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئی ہے۔ ہم آپ کو ایک توحید پرست مومن کا سچا واقعہ سناتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ توحید پر ایمان کسے کہتے ہیں اور اس کی طاقت کیا ہوتی ہے، یہ واقعہ ایک سکھ کی زبانی ہے اور اسی کے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے، وہ کہتا ہے:

”ستمبر 1947ء میں جب ہم نے اور ہندوؤں نے مسلمانان دہلی کے قتل عام کا فیصلہ کیا تو ہم نے یہ دستور بنالیا تھا کہ دس دس، بیس بیس مسلح آدمیوں کی ٹولیاں بنا کر مضافات دہلی میں نکل جاتے اور جو مسلمان نظر آتا اسے تہ تیغ کر دیتے۔ بیس پچیس دن تک یونہی ہوتا رہا لیکن بعد میں جیسے جیسے دن گزرتے گئے شکار ملنا کم ہوتا گیا اور اکثر جتھے خالی واپس آنے لگے۔ ایک دن، رات کے وقت ہم لوگ واپس آرہے تھے کہ شہر میں کمپنی باغ کے نزدیک ایک مسلمان ملا۔ بہت دبلا پتلا اور کمزور سا انسان تھا۔ لمبا قد، کالا رنگ، منہ پر چگی ڈاڑھی، ایک میلا سا تہبند باندھے اور کھدر کی میلی سی قمیض پہنے ہوئے تھا۔ ہم نے اسے ٹھہرالیا اور کہا چل ہمارے ساتھ۔ بولا، کہاں؟ ہم نے

کہا تجھے قتل کریں گے۔ پوچھا میرا قصور کیا ہے؟ جواب میں کوئی بولا "تو مسلمان ہے یا نہیں؟ جواب دیا الحمدللہ۔ہم نے کہا بس اسی لئے تجھ کو قتل کریں گے۔کہنے لگا، اچھا یہ بات ہے! چلو اس سے اچھی موت اور کیا ہوگی۔ چنانچہ ہم اسے کمپنی باغ میں لے گئے۔ وہاں پہنچ کر کسی نے کہا، میاں صاحب جان بچانا چاہو تو بچ بھی سکتی ہے۔ پوچھا، کس طرح؟ میں نے جواب دیا کہ سکھ ہو جاؤ تو تمہیں چھوڑ دیں گے۔معلوم ہوتا ہے وہ سمجھا نہیں۔ کہنے لگا، کیا مطلب؟ میں بولا، مطلب یہی کہ اپنا دین چھوڑ کر ہمارا مذہب قبول کرلو۔ یہ سنتے ہی اس آدمی میں ایک عجیب تبدیلی پیدا ہوئی، چہرہ سرخ انگارہ ہوگیا اور پہلی مرتبہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا، آنکھوں سے شرارے اور منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔ گرج کر بولا، میں.......تمہارا مذہب؟.......کافر کے بچو! میں مسلمان ہوں مسلمان! ''میں'' تم سے کہتا ہوں کہ ''تم'' مسلمان ہو جاؤ ورنہ مار مار کر ڈھیر کر دوں گا۔ یہ سن کر ہم سب اس کا مذاق اڑانے لگے اور ایک سردار جی کرپان لے کر قتل کے ارادے سے آگے بڑھے۔ ابھی وہ دو قدم بھی نہ جانے پائے تھے کہ ایک بجلی سی کوندی۔ وہ مسلمان اُچھلا اور ایک ہی جست میں خالصہ جی کے ہاتھ سے کرپان چھین کر کوئی دس گز فاصلے پر جا کھڑا ہوا، اور کہنے لگا، لو اب آؤ، دیکھوں کون مجھے سکھ بناتا ہے، بڑھو...نا۔ منہ کیا دیکھ رہے ہو، بزدل کہیں کے۔ یہ سنتے ہی ہم سب نے مل کر اس پر حملہ کر دیا۔ لیکن ہم ابھی دور ہی تھے کہ وہ اللہ اکبر کہہ کر پھر اچھلا، ہماری آنکھیں جھپک گئیں، دیکھا تو دو سکھ زمین پر تڑپ رہے تھے۔ ابھی ہم سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ اللہ اکبر کہہ کر اس نے پھر حملہ کیا اور ایک سکھ کو ختم کر گیا۔ اب ہم کو بھی غصہ آیا، ست سری اکال کا نعرہ مار کر ہم نے بھی حملہ کر دیا اور کوشش کی کہ چاروں طرف سے گھیر کر اسے ختم کر دیں مگر وہ تو بجلی تھا قریب ہی نہ آنے دیتا تھا، اللہ اکبر کہہ کر حملہ کرتا اور ہر وار میں ایک دو آدمی زمین پر گر جاتے۔ نعروں کی آواز سن کر بہت سے سکھ قریب کے مکانوں سے نکل آئے اور حملوں میں ہمارے ساتھ شریک ہو گئے مگر وہ قابو میں نہ آیا۔ کوئی آدھ گھنٹہ لڑائی ہوتی رہی اور ہمارے کئی آدمی مارے گئے۔ آخر بہت سے سکھ لمبے لمبے نیزے لے کر آئے اور چاروں

طرف سے گھیر کراس کو کچو کنے لگے ۔اس ترکیب سے وہ بہت زخمی اور نڈھال ہوگیا لیکن برابر لڑتا رہا۔آخر میں ایک نیزہ اسکی کمر توڑکر سینے کے پار ہوگیا اور وہ بیدم ہوکر زمین پر گر گیا،ایک سردار جی نے گالی دے کرکہا،دیکھا مزہ! جواب دیا،کافر کے بچے ہاں دیکھا اِسی مزے کے لئے تو جان دی ہے ۔اگر تجھے معلوم ہوتا کہ اِس وقت مجھے کیا مزہ آ رہا ہے تو تو بھی مسلمان ہوکر ابھی اِن سکھوں سے لڑتا اور شہید ہوجاتا ۔اِس کے بعد وہ کچھ نہ بولا اور کلمہ پڑھتا رہا اور چند منٹ بعد ٹھنڈا ہوگیا۔ہم نے گنتی کی تو ہمارے اٹھارہ آدمی مرے اور گیارہ سخت زخمی ہوئے تھے، میں نے کہا ”یہ ایک ہی مسلمان ملا تھا اگر ایسے دو چار ہزار اکٹھے ہوں تو خدا جانے کیا کریں“۔

دیکھا آپ نے ایک توحید پرست مومن کیا کچھ کرسکتا ہے جو ایسے ہوں چند اِک ہزار، پھر کیا ہو؟ حقیقت میں مومن ایسا ہی ہوتا ہے ۔اگر چہ عام حالات میں وہ شہد سے زیادہ میٹھا اور ریشم سے زیادہ نرم ہوتا ہے مگر ضرورت پڑنے پر زہر سے زیادہ کڑوا اور فولاد سے زیادہ سخت ثابت ہوتا ہے ۔وہ موت پر ہنستا ہے اور شہادت کی آرزو میں مرتا ہے ۔موقعہ ہو تو نہتا ہی لڑتا ہے، نہ تلوار کی حاجت رکھتا ہے، نہ بندوق کی ۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

یہ تھا اللہ تعالیٰ پر ایمان محکم کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ ۔اب ایک کمزور ایمان کا ایک واقعہ بھی سن لیجئے انہی دنوں یعنی ستمبر 1947ء میں جب مسلمانان دہلی کا خون پانی کی طرح بہایا جا رہا تھا،ان کے مکانات جل رہے تھے، مال و اسباب لٹ رہا تھا،عورتوں کی عصمت دری ہو رہی تھی ،ایک دن گاندھی جی ایک مسلمان محلے میں تشریف لائے اور ایک مشہور کانگریسی مسلمان کے مکان پر کئی گھنٹے ٹھہرے تا کہ مسلمانوں کی شکایات سن کر ازالے کی کوشش کریں ۔یہ سننا تھا کہ سینکڑوں مسلمان جمع ہو گئے اور اپنی مصیبتیں بیان کرنے لگے ۔گاندھی جی سنتے جاتے اور تسلی دے کر

وعدے کرتے جاتے تھے کہ دہلی کے ایک بہت مشہور کانگریسی مولوی تشریف لائے۔گاندھی جی ان کی بہت عزت کرتے تھے، دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور پاس بٹھا کر پوچھا مولانا آپ کیسے آئے؟ یہ سنتے ہی مولوی صاحب پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ آنکھوں سے جھڑی لگ گئی، ہچکیاں لے کر فرمانے لگے ''مہاتما جی......میں تو......صرف اتنا......چاہتا......ہوں کہ آپ......میری اور میرے......بچوں کی......جان......بچالیں'' یہ کہتے جاتے تھے اور فرط گریہ سے بے حال ہوئے جا رہے تھے گاندھی جی نے یہ دیکھ کر نہایت پیار کے لہجہ میں کہا ''مولانا'مولانا' اس طرح تو میں اپنے بھگوان سے کہتا ہوں'' یہ سن کر مولانا کی اور بھی ہچکی بندھ گئی اور پھر وہی فرمایا جو پہلے کہا تھا، گاندھی جی نے بھی وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا۔کئی دفعہ ایسا ہی ہوا لیکن مولانا آپے میں نہ آسکے۔آخر گاندھی جی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا اور صاحب خانہ سے کہا ''ان کو سمجھایئے''

بہ بیں تفاوت رہ از کجا ست تا بہ کجا

ایک وہ غالباً جاہل مسلمان جس کا واقعہ پہلے بیان ہوا، ایک یہ مسلمانوں کے پیشوا اور رسول خدا ﷺ کی وراثت کے دعوے دار۔الغرض وہ یقین محکم اور ایمان کامل جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی ترقی کا باعث ہوا اور آج بھی اگر اکثریت میں نہیں صرف دس پندرہ فیصدی مسلمانوں میں پیدا ہو جائے تو پھر اسی ترقی کا باعث ہوگا۔

اتحاد

جماعتی قوت کے لئے اتحاد بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا ایمان۔تاریخ عالم گواہ ہے کہ کوئی جماعت یا قوم اس وقت تک تباہ نہ ہو سکی جب تک اس میں اتحاد باقی رہا اور کوئی جماعت یا قوم تباہی سے بچ نہ سکی جب اس میں نااتفاقی اور پھوٹ پیدا ہوگئی۔قوموں کی بقا اور فنا کا یہ قانون اٹل ہے۔ اس میں نہ کبھی تبدیلی ہوئی ہے اور نہ آئندہ ہو سکے گی۔

اتحاد کیا ہے؟ جماعت یا قوم کے افراد میں اس قدر محبت واخوت اور قلبی تعلق کا موجود ہونا کہ

اگر ایک فرد کو دنیا میں کسی جگہ کوئی تکلیف پہنچے تو جماعت کے باقی تمام افراد خواہ کہیں بھی ہوں اپنی اپنی جگہ پر محسوس کریں کہ یہ تکلیف خود انہی کو پہنچی ہے۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں کہ اگر اس کی آنکھ یا سر میں تکلیف ہوتو تمام جسم بے چین ہوجاتا ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ "اگر ایک عضو کو تکلیف ہوتو تمام بدن میں بیداری اور حرارت پیدا ہوجاتی ہے۔"اس حدیث میں بیداری اور حرارت کے حکیمانہ الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں۔ان کا مطلب یہ ہے کہ تمام بدن اس تکلیف کی مدافعت کے لئے تیار ہو کر عمل کرنے لگتا ہے۔مسلمانوں میں اس درجے کا اتحاد صدیاں گزریں ختم ہو چکا ہے۔اسپین کی سلطنت تباہ ہوتی رہی سلطنت عباسیہ بیٹھی دیکھتی رہی۔سلطنت عباسیہ پر زوال آیا لیکن کسی کا قدم مدد کے لئے نہ اٹھا۔ہندوستان میں سلطنت مغلیہ دم توڑتی رہی ، ایران اور ترکی نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔وہ شیر بیشہ وغا یعنی ٹیپو سلطان انگریزوں اور خود اپنے غدار بھائیوں کے ہاتھ سے چرکے پر چرکے کھاتا اور مدد کے لئے چلاّتا رہا کسی مسلمان طاقت نے مرہم کی ایک ڈبیہ اس کو نہ بھیجی۔نتیجہ یہ ہوا کہ آخر میں جب ترکی انگریزوں کے ہاتھوں قتل ہورہا تھا تو عالم اسلام میں کوئی طاقت بھی ایسی نہ تھی جو مدد کرتی حقیقت یہ ہے کہ <u>جس جماعت کے افراد میں دوسرے بھائیوں کی تکلیف کا احساس نہ ہو وہ ہرگز جماعت کہلانے کی مستحق نہیں ، وہ تو بھیڑ بکریوں کا ایک گلہ ہے کہ قصائی جس کو چاہے ذبح کردے ، دوسری کھڑی منہ تکتی رہتی ہیں</u>۔قرون اولیٰ میں یہ بات نہ تھی۔اس وقت ایک مسلمان کو تکلیف پہنچتی تو ساری دنیائے اسلام بے کل ہو کر انتقام اور مدافعت پر آمادہ ہوجاتی تھی۔خلیفہ عبدالمالک نے سندھ پر حملہ محض اس لئے کیا تھا کہ وہاں کچھ مسلمانوں پر ظلم ہوا تھا جن میں ایک مسلمان لڑکی بھی تھی۔اس لڑکی نے خلیفہ کو دہائی دی۔ایک مسلمان جو وہاں قید تھا سن رہا تھا۔اتفاق سے وہ کسی طرح بچ کر بھاگ نکلا اور دمشق پہنچ کر یہ خبر دی۔خلیفہ نے سنا تو لڑکی کی دادرسی کے لئے فوراً فوج کشی کردی اور سندھ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

ایک دفعہ ایران میں کسی نے ایک انگریز کو مار ڈالا تو برطانیہ کی ساری پبلک بے چین ہوگئی اور

حکومت برطانیہ نے جنگی جہازوں کا ایک پورا بیڑہ ایران کا سر کچلنے کیلئے خلیج فارس میں جمع کر دیا۔ یہ ہے وہ بات کہ ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو تمام بدن بیدار اور مدافعت کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ جس جماعت میں یہ روح پیدا ہو جاتی ہے اِس کا کوئی فرد کہیں اور کبھی بھی اپنے آپ کو اکیلا اور بے کس و بے بس نہیں سمجھتا، بلکہ پوری جماعت کی مدد اور پشت پناہی پر یقین محکم رکھتا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ جماعت کے ہر فرد میں ہر وقت پوری جماعت کی طاقت موجود رہتی ہے۔

قرآن میں اتحاد اور اخوت و محبت کیلئے بھی ایسے ہی قطعی احکام موجود ہیں جیسے کہ نماز، روزے اور دوسری عباد توں کیلئے، لیکن جس قدر بے اعتنائی اِن احکامات سے برتی جاتی ہے شاید اور کسی حکم سے نہیں برتی جاتی۔ اگر یہ بے اعتنائی صرف عوام ہی تک محدود ہوتی تب بھی صبر آ جاتا۔ رونا تو یہ ہے کہ پڑھے لکھے اور قرآن کو خوب اچھی طرح سمجھنے والے بزرگ عوام سے کہیں زیادہ اتحاد و اخوت کی جڑوں پر کلہاڑے چلاتے، تفرقہ ڈلواتے اور فرقہ بندی کی آگ کو ہر وقت ہوا دیتے رہتے ہیں۔

رابطہ

اجتماعی طاقت اور جماعت کی شیرازہ بندی کیلئے تیسری ضروری چیز رابطہ یا تنظیم ہے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔ **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوْاللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ**o(آل عمران 200)

یعنی "اے ایمان والو صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر دلاؤ اور باہم ملے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو شاید تم اپنی مراد کو پہنچو"۔

رابطے کے یہ معنی ہیں کہ جماعت کے تمام ٹکڑوں اور حصوں میں باہمی تعلق اور تعاون عمل بدرجہ اتم موجود رہے اور کوئی حصہ کسی دوسرے حصہ کی حالت سے کسی وقت بھی بے خبر نہ ہونے پائے۔ بات یہ ہے کہ نوع انسانی اپنے جذبات و کوائف اور ضروریات و حوائج میں متنوع الخلقت واقع ہوئی ہے۔ اِس لئے ہر جماعت یا قوم میں مختلف گروہ یا طبقے پیدا ہو جاتے ہیں جو مختلف پیشے اور فن

اختیار کر لیتے ہیں، اِن میں سے ہر طبقہ دوسرے طبقے کی مدد کا محتاج اور اپنے پیشے یا فن کے لحاظ سے پوری قوم کی ضروریات کا کفیل ہوتا ہے۔ بدیں وجہ ان طبقات میں باہمی ارتباط اور تعاونِ عمل نہ ہو تو پوری قوم کے نظام میں خلل آجاتا ہے اور اس کی طاقت کم ہو جاتی ہے۔ اِس لئے ہر طاقت ور جماعت میں تنظیم کا مکمل ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا یقین محکم اور اتحاد کا۔ تنظیم کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ کسی قوم یا جماعت میں جتنے چھوٹے چھوٹے طبقے ہوں اِن سب کا ایک ایک مرکز ہو جو اِن کا نگران اور محافظ ہو جو اِن کے ہر دُکھ درد، تکالیف اور ضروریات سے کماحقہ واقف رہے اِن کی ہر تکلیف کا ازالہ کرے اور اِن سے مناسب کام لے۔ پھر اِن تمام مراکز کا ایک واحد مرکز ہو جو اِن تمام طبقات کی ضروریات کا کفیل اور نگران ہو جو اِن تمام طبقات کو قابو میں رکھے اور ان سے مناسب اور متناسب کام لیتا رہے۔ یہ واحد مرکز جماعت کے افراد و طبقات میں جس قدر مقبول اور ہر دلعزیز ہو گا اِسی قدر قوم طاقت ور اور خوشحال ہو گی۔ رسول اکرم ﷺ کے زمانہ سے حضرت عمرؓ کے زمانہ تک مسلمانوں کی بے مثال طاقت کا راز یہی تھا کہ پوری قوم کا ہر طبقہ اور ہر فرد مرکز پر نہ صرف اعتمادِ کامل رکھتا تھا بلکہ اِس کا والہ و شیدا اور عاشق زار تھا۔ تنظیم کی اِس اہمیت کے پیشِ نظر اسلامی عبادات میں نماز اور حج کی ترکیب و نہج ہی ایسی رکھی گئی ہے کہ اگر اِس پر پوری طرح عمل کیا جائے تو تنظیم کا ڈھانچہ خود بخود تیار ہو جاتا ہے۔ اب رہی اِس کی تکمیل اور تزئین تو وہ معمولی سمجھ کے قائد اور رہنما بھی اپنے اپنے زمانہ کی صورت، حالات اور ماحول کے مطابق تھوڑی سی ترمیم اور تجدید کے بعد خود ہی کر سکتے ہیں۔ یہاں اِس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ ملت اسلامیہ کی عالمگیر تنظیم صرف اِس طرح ہو سکتی ہے کہ ہر ایک اسلامی ملک اپنی اپنی جگہ پوری طرح متحد، مضبوط اور طاقتور ہو اور پھر یہ تمام ممالک ایک واحد مرکز سے متحد ہوں جو کہ مکہ معظّمہ یا مدینہ منورہ میں ہونا چاہئے۔ اِس مرکز کا امیر تمام ممالک اسلامیہ کی رائے سے منتخب کیا جائے۔ اِس امیر کی ایک مجلس شوریٰ ہو جس میں تمام اسلامی ممالک کے نمائندے شریک ہوں۔ اس مرکز میں تمام ممالک اسلامی کے مناقشات اور تنازعات کا فیصلہ پنچائیت کے اصول سے ہوا کرے۔ یمین

الاقوامی تمام مسائل یہیں طے ہوں اور جب دنیا میں کسی مملکت اسلامی کو اغیار سے خطرہ ہو تو اِس کے دفاع کا بندوبست یہیں سے کیا جائے۔ ہم یہ سب کچھ لکھ رہے ہیں لیکن ہمارا دل شرما رہا ہے۔ کیونکہ موجودہ حالات میں یہ باتیں شیخ چلی کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ لیکن ہم یہ یقین کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ وقت زیادہ دور نہیں جب دنیائے اِسلام ایک دفعہ پھر کروٹ لے گی اور جو خواب ہم دیکھ رہے ہیں اِس کی تعبیر مجسم ہو کر سامنے آ جائے گی۔ بہر حال جہاں ہو اور جب بھی ہو، تنظیم کا کمال یہ ہے کہ پوری قوم میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ ہو جسے کوئی تکلیف یا حاجت ہو اور حکومت یا معاشرہ اس سے بے خبر رہے اور اس کا مداوا نہ کر سکے۔

اطاعت

اطاعت کے معنی ہیں فرمانبرداری اور حکم ماننا۔ جس طرح ایک بچے اور ایک فرد کی اصلاح و تربیت اِس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ اپنے ماں باپ، اُستاد یا اتالیق کا حکم نہ مانے، اِسی طرح ایک جماعت یا قوم کی تنظیم بھی اِس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اِس کا ہر فرد اپنے قائدوں اور رہنماؤں کے ہر حکم اور ہدایت پر آنکھ بند کر کے بے چون و چرا عمل نہ کرے۔ فرض کیجئے میدان جنگ میں ایک جماعت مصروف کارزار ہے اور اس کا جنرل اپنے ماتحت افسروں کے ذریعے احکام دے رہا ہے کہ آگے بڑھ جاؤ، داہنے فلینک پر حملہ کرو، اب بائیں طرف ہلہ بول دو، اب آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ آؤ وغیرہ وغیرہ۔ اب غور کیجئے کہ اگر تمام افسر اور سپاہی اس کے حکموں پر بے چون و چرا اور پوری طرح عمل نہ کریں، آگے بڑھنے کا حکم ملے تو پیچھے ہٹ آئیں یا وہیں ٹھہرے رہیں۔ پیچھے ہٹنے کو کہا جائے تو بڑھ جائیں، دائیں کے بجائے بائیں اور بائیں کے بجائے دائیں طرف حملہ کر دیں تو اِس جماعت یا فوج کا حشر کیا ہوگا۔ بالکل یہی حال ایک قوم کا ہے۔ جتنا کسی قوم کے افراد اپنے مذہبی اور ملکی قوانین و احکام پر عمل کریں گے، اتنا ہی وہ قوم ترقی کرے گی۔ جتنی بے پروائی برتیں گے اتنا ہی زوال ہوگا۔ قائدین کے احکام پر سختی

سے متحد العمل رہنا ہی قومی اتحاد و ترقی کی ضمانت ہے۔ قرآن صاف اور واضح الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی، رسول ﷺ کی اور اپنے ان آمرین کی جو تم پر مامور ہیں۔ اِس لئے ہر مسلمان کو اپنی اپنی جگہ تو یہاں تک کہہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرمانبرداری ہی دین ہے، اِس لئے ہر مسلمان کو اپنی اپنی جگہ یہ محاسبہ کرتے رہنا چاہئے کہ وہ کہاں تک اللہ تعالیٰ کے اِن احکام پر عمل کرتا ہے۔

اطاعت صرف یہ نہیں ہے کہ تم کو جو حکم وقتاً فوقتاً دیئے جائیں اِن پر فوری عمل کرو بلکہ اطاعت یہ بھی ہے کہ تمہارے لئے جو احکام یا ہدایات مستقلاً عمل کرنے کی غرض سے لکھ کر ایک جگہ جمع اور شائع کر دی جائیں، اِن پر بھی ہمیشہ عمل کرتے رہو۔ مثلاً قرآن، صحیح احادیث، تمہارے ملک کا آئین و قانون، بلدیات کے قواعد و بائی لاز، دفتروں کے کنڈکٹ رولز اور دوسرے قواعد و ضوابط وغیرہ وغیرہ اگر تم اِن تمام قواعد و ضوابط اور احکام و قوانین پر کماحقہ عمل کرتے رہو گے تو تمہارے افراد کے افکار و تخیلات میں ہمیشہ وحدت و ہم آہنگی رہے گی۔ تمہارا اتحاد مضبوط سے مضبوط تر اور تمہاری جماعت قوی سے قوی تر ہوتی چلی جائے گی۔ آج کل کی اصطلاح میں اسی بات کو ڈسپلن کہا جاتا ہے۔

یہ اطاعت و فرمانبرداری یا ڈسپلن کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ قوم کی شیرازہ بندی اور اِس میں وحدت فکر و عمل پیدا کرنے کیلئے اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ ایک فرد کی زندگی اور صحت کو برقرار اور اعتدال پر رکھنے کیلئے قلب کی با قاعدہ حرکت۔ اگر آپ کو اطاعت کی واقعی قدر و قیمت معلوم کرنا ہو تو اعلیٰ درجے کی با قاعدہ اور تربیت یافتہ فوجوں میں جا کر دیکھیں۔ اِن فوجیوں میں افسروں سے لے کر سپاہیوں تک سب کا اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، بولنا چالنا، کھانا پینا الغرض ہر چیز کا انداز و نہج اِس قدر ملتا جلتا ہے کہ سب ایک ہی سانچے کے ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ یہیں جماعت اور اجتماعیت کے حقیقی معنے معلوم ہوتے ہیں۔ اِن فوجیوں کو حکم ماننے کی اِس قدر مشق اور عادت ہو جاتی ہے کہ آرڈر ملتے ہی بغیر سوچے صحیح عمل کر گزرتے ہیں۔ ہم نے فوجی چھاؤنیوں میں کئی مرتبہ دیکھا کہ ایک سپاہی ہاتھ میں دودھ کا گلاس لئے جا رہا ہے اور پیچھے سے کسی دوست نے مذاقاً

اٹینشن کا حکم دے دیا۔ جانے والے سپاہی کے دونوں ہاتھ فوراً رانوں سے لگ گئے اور دودھ کا گلاس ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔ اِس ڈسپلن کی مشق پریڈ کے میدان میں ریکروٹی کے زمانہ ہی سے کرائی جاتی ہے اور ٹیکنیکل تعلیم وتربیت سے پہلے ہی ہر چیز پکی کرادی جاتی ہے۔ پھر وہ اِس میں اِس قدر پختہ ہو جاتے ہیں کہ میدان جنگ میں جب اِن کو ''ایڈوانس'' کا حکم ملتا ہے تو سامنے خواہ گولوں اور گولیوں کا مینہ ہی کیوں نہ برس رہا ہو یہ حکم کے تابعدار بندے بغیر سوچے اور غور کئے اِس آگ کے دریا میں کود پڑتے ہیں۔ مسلمانوں کو بھی قرآن میں اِسی قسم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ کیا ہمارے لئے اِس میں عبرت کا کوئی سبق نہیں کہ یہ فوجی سپاہی اور افسر جن کو ماہوار چاندی کی چند ٹکلیاں ملتی ہیں اِس بے جگری سے جان دے دیتے ہیں اور حکم عدولی نہیں کرتے اور ہم جن کو ہمارے خالق و مالک نے جان، عقل، بیوی بچے، علم و دانش، صحت اور تمام عمر کا رزق عطا فرمایا ہے اِس کے حکم کی اتنی بھی پرواہ نہیں کرتے جتنی کہ یہ فوجی اپنے بالا دست افسروں کے حکم کی کرتے ہیں۔

اِس میں شک نہیں کہ جس طرح قرن اوّل کے مسلمان اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل میں اپنے دین وملت کی حفاظت کیلئے لڑا کرتے تھے، اِسی طرح اب سے کچھ عرصہ پہلے تک انگریزی فوجیں اپنے بادشاہ، وطن اور قوم کے لئے لڑتی رہیں، لیکن اب نصف صدی سے یہ جذبہ اِن میں سے جاتا رہا ہے۔ اب انگریزی فوجیں صرف ڈسپلن کے بل بوتے پر جنگ کرتی ہیں اور کامیاب ہوتی ہیں۔ جس دن یہ ڈسپلن رُخصت ہوا انگریزی اقتدار کے تابوت پر آخری کیل ٹھک جائے گی۔ ڈسپلن صرف مذہبی وملکی آئین وقوانین اور فوجی اور دفتری قواعد وضوابط ہی کا نام نہیں بلکہ یہ زندگی کے ہر شعبہ مثلاً تجارت، زراعت، صنعت وحرفت اور خانگی امور کو کامیابی سے انجام دینے کیلئے بھی کچھ کم ضروری نہیں ہے۔ اِن امور و معاملات میں ڈسپلن یہ ہے کہ ہر شخص مقررہ قواعد وضوابط اخلاق وغیرہ کا پوری طرح پابند رہے، اپنے اختیار وحقوق کی حدود میں کام کرے، اِن سے باہر نہ نکلے، دوسروں کے کاموں میں بلاوجہ دخل نہ دے اور اپنے فرائض کو کماحقہ ادا کرے۔

گھریلو زندگی میں ڈسپلن کی بہت ہی ضرورت ہے۔خاوند، بیوی، بچے، ملازم اور دوسرے مکین اپنے اپنے حقوق کی حدوں سے خوب واقف ہوں اور اپنے فرائض کو کما حقہ انجام دیں۔جس چیز کو قرینہ اور سلیقہ کہتے ہیں وہ بھی ڈسپلن (قواعد وضوابط کی پابندی) ہی سے حاصل ہوتا ہے اور قائم رہتا ہے۔یعنی گھر میں جو چیز جس کام کے لئے ہو اسی کیلئے استعمال کی جائے، ہر چیز کی جو جگہ ہے وہیں رکھی جائے۔جس شخص کی جو چیز ہو، اس کی اجازت کے بغیر استعمال نہ کی جائے اور جو کام جس طرح اور جس وقت ہونا چاہئے ٹھیک اسی طرح اور اسی وقت کیا جائے۔ممکن ہے بعض آدمیوں کو یہ باتیں بہت معمولی نظر آئیں لیکن ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اطاعت کی بنیاد بچپن ہی سے پڑتی ہے اور بچے جیسا کچھ گھر میں ہوتا دیکھتے ہیں وہی سیکھتے ہیں، اس لئے خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے اور بچوں کو اچھا شہری اور پکا اطاعت گزار اٹھانے کیلئے گھر کی ہر بات میں قواعد و ضوابط کی پابندی کا خیال رکھنا اور اس کو قوت سے عمل میں لانا بہت ہی اہم بات ہے۔

فوجی ڈسپلن کی ابتداء بھی ایک معمولی سی بات یعنی صرف حکم پر دائیاں اور بایاں پاؤں اٹھانے اور اپنے ساتھیوں سے قدم ملا کر چلنے سے پڑتی ہے مگر آخر میں اس سے اس قدر مہتم بالشان نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔اب ہم پانچویں اصول یعنی عمل کو بیان کرتے ہیں۔

عمل

پانچویں چیز جس سے جماعت کے وجود کا ثبوت ملتا ہے اور افراد کو اجتماعیت کے فوائد واقعی حاصل ہوتے ہیں ''عمل'' ہے۔جماعت کے لئے عمل بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک زندہ جسم کیلئے حرکت۔اگر کوئی جاندار پیدا ہونے سے مرنے تک کوئی حرکت نہ کرے، ہمیشہ بے حس و حرکت ایک ہی حالت میں پڑا رہے تو خواہ اس کی عمر ہزاروں برس ہی کیوں نہ ہو اس پر ''زندہ'' کا لفظ صادق نہیں آسکتا۔قرآن میں سستی، کاہلی اور بے عملی کی سخت مذمت کی گئی ہے، اس لئے صحابہ کبارؓ ان چیزوں کو اپنے پاس پھٹکنے بھی نہ دیتے تھے۔صحابہؓ کے بعد بھی کئی سو برس تک مسلمانوں

میں قوتِ عمل خاصی تھی ۔ جب تک یہ قوت ان میں باقی رہی وہ زندگی کی دوڑ میں دوسری قوموں سے کہیں آگے رہے ۔ جب یہ قوت ختم ہوئی وہ کھڑے ہوگئے اور دوسری قومیں آگے نکل گئیں ۔ عمل کی قوت کو کام میں لانے کے لئے کسی مقصد اور مہیج کی ضرورت ناگزیر ہے بغیر اس کے کوئی جسم حرکت نہیں کرتا ۔ کیڑے مکوڑے، پرند اور دوسرے تمام جانور خوراک حاصل کرنے اور گرمی سردی کی تکلیف سے بچنے کیلئے متحرک اور مصروف عمل رہتے ہیں ۔ انسانی اجسام کو متحرک رکھنے کے لئے بھی اصلاً یہی چیزیں مہیج کا کام دیتی ہیں، لیکن اس کے مقاصد و عزائم صرف یہیں تک محدود نہیں رہتے ، اس کی اور بھی بہت سی خواہشات ہیں جو جانوروں میں نہیں ۔ انسان بالفطرت آرام و آسائش کی کسی حالت پر بھی مطمئن نہیں رہتا اور ہمیشہ بہتر سے بہترین اور اعلیٰ سے اعلیٰ ترین حالت کی طرف بڑھنا چاہتا ہے یہی خواہش اس کو ہمیشہ مصروف عمل رکھتی اور ارتقائے تمدن کے اعلیٰ مدارج کی طرف چلاتی رہتی ہے ۔ انسانوں کی جو جماعت اپنی حالت پر قانع ہو کر عمل سے دست کش ہو جاتی ہے وہی پسماندہ کہلاتی ہے ۔ یہی خواہش انسان کی موجودہ معیارِ تمدن تک پہنچنے کی وجہ ہے اور خدا ہی جانے کہ وہ ابھی کہاں پہنچ کر دم لے گا یا شاید قیامت تک کہیں دم ہی نہ لے ۔ کھانے پینے ، کپڑے اور مکانات کے علاوہ انسان میں ایک اور فطرتی خواہش بھی ہے ، یعنی وہ اپنی اصل کو معلوم کرنا چاہتا ہے، وہ جاننا چاہتا ہے کہ پیدا ہونے سے پہلے میں کیا تھا؟ کن حالات میں سے گزرنے کے بعد پیدا ہوا؟ یہ مادہ اور روح کیا چیز ہے؟ موت کیا ہے؟ مرنے کے بعد مجھے کہاں جانا ہے؟ اس عالم کو پیدا کرنے والا کوئی ہے بھی یا نہیں ہے؟ ہے تو کیسا ہے؟ کہاں ہے؟ وغیرہ وغیرہ ۔ جو قومیں ان سوالات کا جواب معلوم کرنے کے لئے تفکر سے کام لیتی اور مصروف عمل رہتی ہیں، ان کو حیاتِ نو عطا ہوتی رہتی ہے ، کیونکہ جہاں تک روٹی کپڑے اور مکان کا سوال ہے ، انسان اپنی کوششوں سے جلد ہی اس حد تک پہنچ سکتا ہے جہاں اسے مزید عمل کی ضرورت محسوس نہ ہو اور وہ اپنی نادانستگی ، جہالت یا تن آسانی کی وجہ سے قانع ہو کر بیٹھ جائے اور عمل کرنا چھوڑ دے ، لیکن جہاں تک مبدا و معاد کے متعلق تسکین کا سوال ہے یہ تشنگی کبھی بھی ختم

نہیں ہوسکتی اور وہ ہمیشہ مصروف عمل رہ سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن میں مسلمانوں کو دونوں باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔فرماتے ہیں "اس زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی رزق تلاش کرو۔" ارشاد ہوتا ہے کہ "ہم سے یوں مانگا کرو" اے ہمارے ربّ ہم کو دنیا اور آخرت دونوں کی نعمتیں عطا فرما۔' مبدا اور معاد کی گتھیاں سلجھانے کے لئے قرآن میں سینکڑوں جگہ ارشاد ہوا ہے کہ ہماری نشانیوں میں غور و فکر کیا کرو۔چنانچہ سورۃ العنکبوت میں فرمایا ہے' دنیا میں سفر کرو اور معلوم کرو کہ آفرینش کی ابتداء کیونکر ہوئی؟ دیکھنے میں یہ ایک معمولی سی بات اور چھوٹی آیت ہے لیکن اسی ایک سوال کا جواب معلوم کرنے کی کوششوں سے بیسیوں علوم وجود میں آ گئے، مثلاً علم طبقات الارض ،علم نباتات، علم حیوانات، علم الحیات، جغرافیہ، تاریخ علم طب، علم ہیت ،فزکس اور کیمسٹری وغیرہ وغیرہ، اور یہی وہ علوم ہیں کہ جو قومیں ان کو حاصل کرتی ہیں خدائی انعامات و نوازشات سے مالا مال ہو جاتی ہیں۔ان علوم کی تحصیل کا حکم دینے میں مصلحت یہ ہے کہ ان کی کوئی انتہا نہیں اور انسان اس بہانے سے ہمیشہ عمل میں مصروف رہ کر ترقی کرتا چلا جاتا ہے مسلمانوں کو مصروف عمل رکھنے کیلئے خدا نے کیا نہیں کہا، سارا قرآن "عمل کرو" "عمل کرو" مناسب عمل کرو" کے الفاظ سے بھرا پڑا ہے۔ کسب معاش ، نماز ، روزہ، زکوٰۃ ، جہاد، تبلیغ اور تفکر فی الآیات اللہ کے احکام اگر قوت عمل کو بیدار کرنے اور متحرک رکھنے کے لئے نہیں ہیں تو پھر کس لئے ہیں؟ مگر افسوس کہ جس قدر زیادہ قرآن میں عمل پر زور دیا گیا ہے اسی قدر ہم نکمے، سست، بیکار اور بے عمل ہیں۔

الغرض یہ ہیں وہ پانچ عناصر جن سے جماعت کا جسم ، روح، قلب ، دماغ اور حواس تیار ہوتے ہیں اور اس میں قوت اجتماعیت پیدا ہوتی ہے۔ظاہر ہے کہ آدمیوں کا جو گروہ ان پانچ باتوں پر جس قدر زیادہ سختی اور سرگرمی سے پابند ہوگا، اسی قدر زیادہ منظم اور طاقتور جماعت بن جائے گا۔لیکن ایک جماعت میں صرف انہی پانچ باتوں کا ہونا ہی کافی نہیں ۔انسانی زندگی کے بہت سے پہلو اور بھی ہیں اور ہر انسان کی بیسیوں مختلف اضافی حیثیتیں ہوتی ہیں مثلاً ایک شخص بسا اوقات ایک ہی وقت میں باپ بھی ہوتا ہے بیٹا بھی، بھائی بھی ہوتا ہے بھتیجا بھی اور

بھانجا بھی، چچا اور ماموں بھی ہوتا ہے، خالو اور پھوپھا بھی، خاوند بھی ہوتا ہے دیور اور جیٹھ بھی، نوکر بھی ہوتا ہے آقا بھی، ماتحت بھی ہوتا ہے، افسر بھی، سودا بیچنے والا بھی ہوتا ہے خریدار بھی، زمیندار بھی ہوتا ہے مزارع بھی وغیرہ وغیرہ۔ تو ضروری ہے کہ ان تمام اضافی حیثیتوں کے لحاظ سے مختلف فرائض کی بجا آوری کے لئے کوئی ایسا آئین وضابطہ اور قوانین وقواعد موجود ہوں جن پر اِس جماعت کا ہر فرد آنکھ بند کر کے عمل کر سکے تا کہ تمام افراد کے افعال میں یکسانیت اور وحدت عمل قائم رہے اور قوت اجتماعی میں خلل نہ پڑے۔ چنانچہ مسلمانوں کی ہدایت و رہنمائی کیلئے ضابطہء حیات موجود ہے۔ جس کا نام ہے قرآن۔

سات آدمی اللہ کے عرش کے سایہ میں ہونگے

حدیث نبوی ﷺ

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سات آدمی جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔ اس دن (قیامت) جس دن اس کے سائے کے علاوہ سایہ نہ ہوگا۔ (۱) انصاف کرنے والا حکمران۔ (۲) وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں پل کر بڑا ہو۔ (۳) وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو۔ (۴) وہ دو آدمی جو محض اللہ کیلئے آپس میں محبت کرتے ہوں اسی پر جمع ہوتے ہوں اور اسی پر جدا ہوتے ہوں۔ (۵) وہ آدمی جس کو حسب نسب والی حسن و جمال والی عورت اپنی طرف بُلائے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (۶) وہ آدمی جس نے اس طرح پوشیدہ صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو علم نہیں ہوا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ (۷) وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کا ذکر کیا اور اسکی آنکھوں سے (فرطِ محبت سے) آنسو رواں ہوگئے۔ (بخاری و مسلم)

پتا نہیں ہلتا

(قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی)

یہ عجیب اتفاق ہے کہ عام طور پر جب بھی کسی مسلمان بھائی کو بے عملی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ اپنی نافرمانی اور کاہلی کو سہارا دینے کیلئے ایک مقبول العوام بہانہ پیش کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اس کے حکم کے بغیر کوئی پتا بھی نہیں ہل سکتا اس لئے ہم بھلا اس کی مرضی کے بغیر کیا کر سکتے ہیں آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک اور نمازی بنا دے اس سلسلے میں سب سے پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا واقعی قرآن کریم میں ایسا ہی فرمایا گیا ہے؟ اور اگر نہیں فرمایا گیا تو پھر ہمیں اس قول کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرنے کی جسارت ہرگز نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ بہت سنجیدہ اور بھاری ہے۔ آیئے سب سے پہلے متعلقہ آیات کی تلاوت اور انکا ترجمہ پڑھتے ہیں۔

وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لاَ يَعْلَمُهَا إِلاَّ هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلاَّ يَعْلَمُهَا وَلاَ حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الأَرْضِ وَلاَ رَطْبٍ وَلاَ يَابِسٍ إِلاَّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ O وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَى أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (الانعام 59، 60)

"اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری اور سوکھی چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں لکھی ہوئی ہے۔ وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس سے خبر رکھتا ہے پھر تم کو اٹھا دیتا ہے تا کہ اس طرح زندگی کی معین مدت پوری کر دی جائے۔ پھر تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تم کو تمہارے عمل جو تم کرتے ہو ایک ایک کر کے بتائے گا۔"

ان آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لامتناہی علم کی وسعت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ جو کچھ غیب میں ہے وہاں کسی انسان کی بذات خود رسائی نہیں ہوسکتی اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ عالم مادی میں، خشکی اور تری میں جو کچھ بھی ہے وہ سب جانتا ہے سطح زمین پر اور زیر آب اربوں کی تعداد میں درخت اور پودے موجود ہیں۔ ان سے دن کے اجالے اور رات کے اندھیرے میں ہر لحظہ ان گنت پتے جھڑتے رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ جہاں کہیں بھی کوئی پتا گرتا ہے اسے اس کا علم ہوتا ہے۔ اور اس کی باریک بینی کی یہ شان ہے کہ بطن زمین کے اندھیروں میں چھپا ہوا چھوٹے سے چھوٹا دانہ اور ہر خشک وتر چیز ہمہ وقت اس کی نگاہ میں رہتی ہے اے انسانو! خبردار رہو کہ اللہ کی ذات اعمال کی بھی اسی طرح نگران ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام اپنے زعم میں خواہ کتنے ہی پردوں میں چھپ کر کرو لیکن وہ سب کچھ دیکھ رہا ہوتا ہے اور قیامت کے دن تمہارا کمایا ہوا خیر وشر کا ذرہ ذرہ تمہارے سامنے لاموجود کریگا۔ اس طرح کی آیات سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور اس کی عظمت وہیبت اس کے دل پر چھا جائے تا کہ وہ تقویٰ کی راہ میں آگے بڑھتا چلا جائے اور مومن اس زمین میں اپنے اعمال کا محاسبہ ویسی ہی دقت نظری سے کرے جیسی باریکی سے قیامت کے دن اس کا حساب ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کا انسان کے ساتھ تو خصوصی قرب والا تعلق ہے جو اس سے اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ اپنے نفس کی نفاست اور سوچ کی سچائی پر بھی نظر رکھے۔ قرآن کریم کی آیت مبارکہ ملاحظہ فرمایئے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ(سورۃ ق:16)

''اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو خیالات اس کے دل میں گزرتے ہیں ہم ان کو بھی جانتے ہیں اور ہم اسکی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں''

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ شروع میں جس آیت کا ذکر کیا گیا تھا اس میں پتا ملنے کا نہیں فرمایا گیا ہے جیسا کہ عوام وخواص نے مشہور کر رکھا ہے بلکہ پتا گرنے اور اس کا اللہ تعالیٰ

کوعلم ہونے کا ذکر ہوا ہے۔اس لئے سب کو احتیاط برتنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی طرف کوئی ایسی بات ہرگز منسوب نہ کریں جوانہوں نے نہ فرمائی ہو۔

اگر چہ یہ حقیقت اپنی جگہ تسلیم شدہ ہے کہ جمادات ونبادات اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وظیفہ حیات کے پابند اور تقدیر الٰہی میں اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ قانون فطرت سے تصرموانحراف نہیں کر سکتے۔کیونکہ ان کو انسان کی طرح انتخاب واختیار کا شعور عطا نہیں کیا گیا۔ وہ تقدیر جس میں مرضی کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔جمادات ونباتات کے لئے مخصوص کردی گئی ہے لیکن حضرت انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے ایک حد تک ارادہ واختیار کی جو نعمت عطا کررکھی ہے اس کے تحت جہاں وہ صراط مستقیم پر گامزن ہو کر اپنے خالق و مالک کی رضا حاصل کرتا ہے وہاں خطاء ونسیان کا یہ پتلا قدم قدم پر اس کے احکام کی جان بوجھ کر یا بھولے سے خلاف ورزیاں بھی کرتا چلا جاتا ہے اس لئے جو دوست پتا نہ ہلنے والی دلیل پیش کرتے ہیں ان سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ پتا ہلتا ہے یا نہیں ہلتا اسے اس کے حال پر چھوڑ کر ہم ذرا اپنی بات کریں کیا ہم اللہ تعالیٰ کے واضح احکام کے خلاف ہل رہے ہیں یا نہیں۔ہم یقیناً ہلتے رہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں صاحب ارادہ واختیار بنایا گیا ہے جس کے نتیجہ میں ہمارے درمیان اختلاف عمل رونما ہوتا ہے۔ اب یہ انسان کی بصیرت اور صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ شیطان کا دوست بن کر خواہشات نفس کی پیروی میں زندگی بسر کرتا اور جہنم میں اس کا ساتھی بنتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے دین حق کا پابند ہو کر انعام یافتہ گروہ میں شامل ہو کر فلاح دارین حاصل کرتا ہے۔علامہ اقبال نے مسلمانوں کو بے عملی سکھانے والے تصور سے نکال کر عمل کی راہ دکھاتے ہوئے تقدیر کی تشریح اس طرح فرمائی۔

تقدیر کے پابند ہیں نباتات و جمادات — مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند
عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں — تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

جمادات اور نباتات کو انکے حیاتیاتی مقام کی مناسبت سے تھوڑا بہت شعور بخشا گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ کائنات کی ہر شے اپنے خالق کو پہچانتی،اس کی تسبیح کرتی اور اس کی اطاعت میں لگی ہوئی ہے

نباتات کا شعور جمادات سے کچھ زیادہ ہے کہ انہیں پانی ،ہوا اور روشنی کا احساس ہوتا ہے ۔ درخت اور پودے زمین سے اگتے ،بڑھتے ،پھولتے پھلتے اوراپنی نسل کو جاری رکھتے ہیں۔ لیکن نہ تو وہ اپنے مقام سے حرکت کرسکتے ہیں اور نہ ہی اپنی نوع میں کوئی تبدیلی لاسکتے ہیں۔ حیوانات کونباتات پر برتری حاصل ہے کہ وہ جبلی خواہشات کی تسکین کے لئے حرکت تو کرسکتے ہیں لیکن اپنی طرز حیات اور ماحول میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی لانے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔

کروڑوں برسوں سے ان کی بود وباش ایک ہی ڈگر پر چل رہی ہے۔یہ خصوصی شرف حضرت انسان کے لئے وقف تھا کہ اسے بہترین صلاحیتوں اور برتر شعور سے نواز کر دوسری مخلوقات پر ترجیح دی گئی ۔اسے صاحب ارادہ واختیار ہونے کی وجہ سے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا اوراس دنیا کی کارکردگی کے مطابق عالم آخرت میں اسے جزاوسزا بھی ملے گی۔

<u>اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں کے بل بوتے پرانسان کائنات کی تسخیر اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کی راہ میں ہر لحظہ نئی آن شان سے برابر آگے بڑھتا چلا جارہا ہےاس کے ساتھ ساتھ اس کی معاشرت اور معیشت بھی بدلتی چلی جارہی ہے</u>۔موجودہ دور میں یہ تبدیلیاں اتنی تیزی سے آرہی ہیں کہ انسان کے مستقبل کے بارے میں صحیح تصور کرنا بھی محال ہوگیا ہے۔تسخیر وتعمیر کی صلاحیتوں سے لیس صاحب ارادہ مخلوق نے اس کرہ ارض کا نقشہ بدل کر رکھ دیا ہے اور وہ اپنے اعمال کی ذمہ داری قبول کرنے کی ہر لحاظ سے اہل اور مکلّف ہے۔

اس دنیا میں انسانوں کا اپنا نظام تعزیرات بھی اسی بنیاد پر تشکیل دیا گیا ہے ۔ ہر معاشرے نے انسانی عقل وشعور کے پختہ ہونے کی ایک عمر مقرر کررکھی ہے ۔اس حد سے کم عمر بچوں کواس کے اعمال کا پوری طرح ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاتا ۔یہی وجہ ہے کہ ان کے گھناؤنے جرائم پر بھی ہلکی ہلکی سی سزائیں دی جاتی ہیں ۔ان کی خام عقلی کی وجہ سے ہی نہ تو ان کو ووٹ دینے کی اجازت ہوتی ہے نہ ہی انہیں گاڑی چلانے یا اسلحہ رکھنے کا لائسنس جاری کیا جاتا ہے ۔بلکہ ان کا شناختی کارڈ تک نہیں بنایا جاتا ۔وہی بچہ جب بالغ ہو جاتا ہے تو اسے یہ تمام حقوق دے دیئے

جاتے ہیں کہ اس سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ اسے گاڑی چلانے ،اسلحہ رکھنے اور ووٹ ڈالنے کے جو حقوق دیئے جارہے ہیں بالغ نظری سے کام لیتے ہوئے ان کا غلط استعمال ہرگز نہیں کریگا اور اپنے اخلاق و کردار سے قانون کا پابند اور ذمہ دار شہری ہونے کا ثبوت دے گا۔جب کسی نوجوان کو بلوغت عقل کی وجہ سے ذمہ داری کا یہ مقام مل جائے تو کیا وہ اس بات کو بھی پسند کریگا کہ اسے دوبارہ کج فہم،کم عقل اور نابالغ قرار دیا جائے اور اسے غیر ذمہ دار فرد قرار دیکر اس کے تمام حقوق ضبط کر لئے جائیں؟ اسی طرح بنی نوع انسان کی مثال ہے۔آسانی کی خاطر یوں سمجھ لیجئے کہ تمام مخلوقات میں صرف انسان ہی عقل و شعور کے اس مقام پر فائز ہے کہ اسے دنیا میں انتخاب واختیار کی آزادی دے کر اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔یہ اصول کی بات ہے کہ ہر منصب کے اختیارات اور حقوق کی مناسبت سے اس پر ذمہ داریاں بھی عائد کی جاتی ہیں۔اس طرح یہ آزادی بھی انسان کے شعور،اس کی بالغ نظری،اس کی باطنی بصیرت اور اس کے کردار کا ایک کڑا امتحان ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے کہ اس نے انسان کو اس آزمائش گاہ میں بھٹکنے اور ٹھوکریں کھانے کیلئے تنہا نہیں چھوڑا۔جہاں زندگی کے ہر موڑ پر شیطان کے کارندے اسے گمراہ کرنے کے لئے بہروپ دھارے کھڑے ہیں وہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے منتخب بندوں یعنی انبیاء و رسل علیہم السلام کے توسط سے صراط مستقیم کی ہدایت کا انتظام فرما دیا۔اب انسان کی کامیابی کا انحصار اس امر پر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو آئین حیات مان کر اس کے رسول ﷺ کی پیروی میں دنیا کی محبت ہوا وہوس،خواہشات نفس اور شیطان کے مکروفریب سے بچتا ہوا اللہ کی محبت اور فکر آخرت کی راہ پر گامزن رہے اور اس کی رضا حاصل کر کے دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جائے۔اس راہ میں پیش آنے والی ہر رکاوٹ جسے بندہ مومن عبور کرتا ہے،شیطان کے مکروفریب کا ہر جال جسے وہ توڑتا ہے اور اپنے نفس کی ہر خواہش جسے شریعت نے ناجائز قرار دیا ہوا ہے ٹھکرانا بندے کو اس کے رب کے قریب کر دیتا ہے۔اسی جدوجہد میں ہی انسان کے کمال کا راز ہے دیکھ لیجئے کہ اللہ علیم و حکیم نے انسان کے دشمن یعنی شیطان کو آدم علیہ السلام سے بھی پہلے پیدا فرما دیا تھا۔کیونکہ اس کا مقابلہ

کئے بغیر انسان اپنے کمال کو نہ پہنچ سکتا تھا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے طاقت ہمیشہ رکاوٹوں کا مقابلہ کرنے سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

اہل ہمت کے لئے کیا لطف ایسی حیات میں　　　راہ منزل میں جہاں دشمن نہ ہو کوئی گھات میں

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکمل انتظامات کے باوجود اب یہ انسان کی کم نصیبی اور پست ہمتی ہے کہ اتنی اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہوتے ہوئے بھی وہ کشمکش حیات سے دستبردار ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے عطاء کردہ اختیار و انتخاب کی آزادی سے دست کش ہو کر درختوں کے پتوں اور ریت کے ذروں کا ہم جنس بننے کو ترجیح دینے لگے جو ہر قسم کی آزادی سے محروم اور فطرت کے جبری نظام اطاعت میں جکڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ احسن تقویم سے پیدا کئے گئے انسان کو مادی دنیا کے اسفل السافلین میں اس لئے ڈالا گیا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر زینت حیات کے فریب سے بچتا ہوا ایمان باللہ اور عمل صالح کی راہ اپنائے اور اپنی پوری زندگی اسوہ حسنہ کے سانچے میں ڈھال کر اپنا مقصود حیات یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کر کے کامیاب ہو جائے۔ اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ انسان کو اس کے مقام کمال تک پہنچانے کے لئے ہے۔ بقول اقبالؒ

گردش میں ہیں سب یہ لیل و نہار　　　کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

انسان کی تقدیر جبر میں جکڑی ہوئی نہیں ہے بلکہ ہر انسان کے لئے اس کی صلاحیتوں کے مطابق ایک میدان عمل وقف ہے جس میں اس کی کامیابی کا ہدف یا مقام محمود مقرر کر دیا گیا ہے جہاں تک پہنچنا اس کے بس میں ہے اس لئے وہ وہاں تک پہنچنے کیلئے مکلّف ہے حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ جب دوزخی دوزخ اور جنتی جنت میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ہر ایک دوزخی کو جنت میں ایک مقام دکھلا کر فرمائے گا کہ اگر تم میرے رسولوں کا اتباع کر کے نیکی والی زندگی گزارتے تو اس جگہ ہوتے۔ اس پر اس دوزخی کو بڑی حسرت ہوگی۔ وہ اپنی گزشتہ زندگی پر پچھتائے گا اور اپنی عقل پر ماتم کرے گا۔ اس طرح اس کے

عذاب میں اضافہ ہوگا۔ہر جنتی کودوزخ میں اس کے مقام کی جھلک دکھلا کر فرمایا جائے گا کہ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہ لاتے اور عمل صالح کی راہ نہ اپناتے تو جنت کی بجائے یہ تمہارا ٹھکانہ ہوتا اس پر مومن اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کریگا۔جس نے اپنے رسول ﷺ کی دعوت قبول کر کے ایمان وعمل کی توفیق عطا فرمائی اور دوزخ کے عذاب سے بچالیا۔اس طرح اس کی خوشی دو بالا ہوجائیگی اور وہ اللہ کا مزید شکر بجالائے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے لئے جامد تقدیر قرآن کی تعلیم کے خلاف بلکہ اس کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جانے اور اللہ کی رضا حاصل کر لینے والا حرکی نظریہ تقدیر ہے۔قرون اولیٰ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اور قرون وسطیٰ کے اہل ایمان جب تک اس ازلی وابدی حقیقت کو حرز جان بنائے ہوئے اللہ تعالیٰ کی محبت میں صراط مستقیم پر شعلہ جوالہ بن کر آگے بڑھتے رہے جب تک وہ اپنے آپ کو مرکز کائنات سمجھ کر اس عالم خاک کو تسخیر کر کے اپنی خدمت میں تو لگاتے رہے لیکن اس کی محبت کے اسیر نہیں ہوئے جب تک اللہ کی رضا ان کا مقصود حیات بنی رہی اور اس میں رکاوٹ نہ ڈالنے والی ہر خواہش اور متاع زینت کو ٹھکرا کر راہ حق پر گامزن رہے جب تک وہ طائر ان لاہوتی عالم خاک کی جکڑ بندیوں سے آزاد رہے اور اپنی سوئے عرش پرواز میں کوتاہی پر موت کو ترجیح دیتے رہے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی رحمت ونصرت ان کے سروں پر سایہ فگن رہی ،قیصر وکسریٰ کے تاج وتخت ان کی ٹھوکروں پر لڑھکتے رہے اور اقوام عالم کی قیادت ان کے ہاتھوں میں ہونے پر فخر کرتی رہی لیکن اب بقول اقبالؒ

خبر نہیں اسے کیا کہوں؟ ہے یہ خود فریبی کہ خدا فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

خواجہ کے خطوط

الحاج محمد حسین چہل

محبت

(الحاج محمد حسین چہل- 31.07.1953)

محبت کا یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک طرف سلگتی ہے تو دوسری طرف بھی بھڑک اُٹھتی ہے۔ مگر محبت میں سکون تو موت ہے۔ بے چینی اور بے قراری زندگی ہے۔ شروع میں طلب پیدا ہوتی ہے۔ جتنی تڑپ اور بے چینی زیادہ ہوگی کامیابی زیادہ ہوگی۔ اس لئے سکون نہ مانگئے بلکہ کبھی بھی نہ مانگئے۔

اللہ اللہ کا شوق

(الحاج محمد حسین چہل- 24.08.1953)

آپ کو اللہ اللہ کا شوق ہے، بہت مبارک ہے۔ لاکھوں میں ایک آدھ کو ہوتا ہے۔ لیکن یہ دنیا میں سب سے مشکل کام ہے۔ سخت تکلیف کا راستہ ہے۔ انجام بہت شاندار اور نیک ہوتا ہے۔ اگر مشکلات برداشت کرنے کی ہمت ہے تو بسم اللہ میں حاضر ہوں۔ آج ہی سے ہر سانس سے اللہ اللہ کہنا شروع کر دیں اور اللہ سے محبت کیجئے۔

غصّہ اور نفرت کی نفی

(الحاج محمد حسین چہل- 17.09.1953)

کوشش کیجئے غصہ بالکل جاتا رہے۔ نفرت بھی جاتی رہے۔ ایک عالمگیر محبت کا جذبہ پیدا ہو جائے اور صداقت کردار کا طبعی جزو بن جائے۔ جب محبت اور صداقت کا مقابلہ ہو تو محبت کو صداقت پر قربان کردو۔

ترک تعلق اور ترک دنیا

(الحاج محمد حسین چہل- 13.10.1953)

میرے طریقہ میں ترک تعلق ہے نہ ترک دنیا۔ بلکہ سب کچھ کرو، خوب کماؤ، کھاؤ، دنیا داری کی سب باتیں کرو مگر دل اللہ تعالیٰ سے اٹکا رہے۔ اس کی کوشش کیجئے۔

باباجی قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کا خط بنام شہزادمحمود (ملتان)

مورخہ:01-02-2012

راہ سلوک میں عمر بھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور اپنی اصلاح کا کام کرنا پڑتا ہے یہ منزل اتنی آسان نہیں ہے کہ چند ماہ یا چند سال اللہ اللہ کی جائے اور اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو جائے ۔اس راہ میں تراش خراش اور اپنی اصلاح کا کام ختم نہیں ہوتا ۔زندگی کے آخری دم تک ایک لمحہ کیلئے بھی فارغ نہیں رہنا چاہیے ۔ہمارے سامنے زندگی کا ماڈل حضور نبی کریم ﷺ ہے ۔جو خلق عظیم کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں اور یہ اتنا اونچا معیار ہے کہ زندگی چاہے کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو آپ ﷺ کی کسی ایک خوبی کو بھی آپ ﷺ کی مثل حاصل نہیں کر سکتے ۔اس لئے سالک جوں جوں آگے بڑھتا ہے اسے اپنی نئی نئی خامیاں اور کوتاہیاں نظر آنے لگتی ہیں اس طرح اصلاح کا کام ختم ہوتا ہی نہیں ۔عزیز من !جب آپ نے یہ اعلیٰ لیکن ہمت طلب دشوار کام خود ہی اپنے لئے پسند کیا ہے تو پھر مردوں کی طرح استقامت دکھانی چاہیے اور تعلیم پر عمل کرنے کے لئے کسی قسم کی کاہلی اور سستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے اور اپنا روزانہ کا ذکر کسی بھی صورت ترک نہیں کرنا چاہیے ۔ہفتہ وار ذکر کبھی رہ بھی جائے تو کوئی بات نہیں ۔زندگی میں اونچ نیچ اور پریشانیاں تو آتی رہتی ہیں ان سے گھبرانا نہیں چاہیے ۔معاشرتی حالات کی ہرگز پرواہ نہ کریں ۔زمانہ کی دوڑ کسی بھی سمت جا رہی ہو ،اللہ والے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی مخلوق کی محبت اور خدمت کی روش ہرگز ترک نہیں کرتے ۔یہی ان کی عظمت کی دلیل ہوتی ہے ۔وہ ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اور ہمیشہ خوش رہتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ پر لگانے کی کوشش کرتے ہیں ۔اور اللہ کی مدد سے اس میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں ۔یہ کام محض اللہ کی رضا اور حضور نبی کریم ﷺ کی خوشنودی کیلئے کرتے ہیں اس میں ان کی ذاتی غرض بالکل نہیں ہوتی ۔نماز اور ذکر کی پابندی رکھیں ۔

شیخ کامل

(خالد محمود توحیدی۔ ملتان)

شیخ امراض باطنہ اخلاق رذیلہ وحمیدہ اور، خواطر نفسانی و شیطانی وملکوتی و ربّانی سے بھی پوری واقفیت رکھتا ہے۔ راہ سلوک کے نشیب وفراز کو علم الیقین وعین الیقین حق الیقین سے طے کر چکا ہوتا ہے تو وہ وقت کے ساتھ سالک کی استطاعت اور مزاج کے مطابق ذکر وغیرہ تجویز کرتا ہے جس طرح مناسب سمجھتا ہے اسی طریقہ سے منزلِ مقصود کی جانب اس کی رہبری کرتا ہے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نفسانی خواہش کے مطابق گفتگو نہیں فرماتے تھے اسی طرح شیخ بھی ظاہر وباطن میں آپ ﷺ کی پیروی کرتا ہے نفسانی خواہش کے مطابق کلام نہیں فرماتا۔

شیخ کے ساتھ نسبت:

محبت وعقیدت شیخ و مرید کے درمیان تعلقات کا زبردست واسطہ ہے مرید کو اپنے شیخ کے ساتھ جس قدر محبت زیادہ ہوگی اسی قدر زیادہ روحانی فیض حاصل ہوگا۔ فیوض باطنی کیلئے پیرو مرید کی باہمی مناسبت فطری شرط ہے۔ روحانی فائدہ الفت ومحبت پر منحصر ہے۔ شیخ سے مُرید کو اِس قدر اُنس ہوجائے کہ شیخ کے کسی قول وفعل سے مرید کے دل میں بھی انکار پیدا نہ ہو یعنی شیخ کی سب باتیں مرید کو پسند ہوں اور مرید کی سب باتیں شیخ کو پسند ہوں یہی مناسبت بیعت کی شرط ہے۔ جب تک پوری مناسبت نہ ہو بیعت نہیں ہونا چاہیے۔ محبت میں کمی ہوگی تو شیخ کے اقوال وافعال کی تاثیر اس کے حق میں کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ جب پیر سے محبت کم ہوجائے گی تو نسبت بھی نہ رہے گی۔ شیخ کے حکم میں چلنے میں بڑی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں مرید وہ ہے جو قولاً فعلاً قلباً وقالباً پیر کی اتباع کرے شیخ کی خدمت میں جان ومال کے ایثار کرنے میں سعادت دارین سمجھے۔

رابطہ شیخ اور صحبتِ شیخ

؎ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ (القرآن)

شیخ کامل کی صحبت سے آخرت کی رغبت، محبت الٰہی اور نیکی و عمل کا جذبہ پروان چڑھتا ہے، ان کا خلوص اور نورِ فراست منتقل ہوتا ہے۔ انکی صحبت سے غفلت دور ہوتی ہے، باطن بیدار رہتا ہے اور دنیا کی محبت سرد پڑتی محسوس ہوتی ہے۔ مریدین میں سے اکثر کی حالت شریعت کے مطابق ہوتی ہے اور وہ اللہ کی محبت میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کے قلوب میں اللہ کی محبت ٹھاٹھیں مار رہی ہوتی ہے اور محبت منعکس ہوتی ہے۔ جب مرید اپنے دل کو ذکر کے ذریعے منور کرتا ہے تو گناہوں کا زنگ اور میل دور رہوتا ہے۔ پھر ان کی صحبت میں آتا ہے تو اللہ سے محبت کے نور کو محسوس کرتا ہے۔ اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنے سے ان کے باطنی اسرار منتقل ہوتے ہیں۔ مشائخ قلبی توجہ سے مرید کے اندر صلاحیتوں کو ابھارتے ہیں اور پہلے سے موجود سوئی ہوئی صلاحیتوں کو بیدار کرتے ہیں اور قوت ارادی پیدا ہوتی ہے۔ شیخ رسول پاک ﷺ کا نائب ہوتا ہے شیخ کے اندر جو چیز ہوتی ہے وہ آہستہ آہستہ مرید کے اندر بھی آئے گی شیخ سے اعتقاد کی وجہ سے اس کے کمالات حاصل کر لیتا ہے۔ مشائخ اعمال صالح کی وجہ سے بابرکت ہوتے ہیں اور ان کی تعلیم بھی بابرکت ہوتی ہے جس کی وجہ سے جلد روحانی شفاء ہو جاتی ہے خود کتابیں دیکھ کر علاج کرنا کافی نہیں۔ اہل اللہ کی صحبت اور رابطہ کے موثر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بار بار اچھی باتیں کان میں پڑنے سے گھر کر جاتی ہیں اور اصلاح ہو ہی جاتی ہے۔ ان حضرات کے دل خدا کے نور سے روشن ہوتے ہیں ان کے پاس رہنے سے نور آتا ہے، مرید صادق کو پیر کی خاموشی سے اس کی گفتگو کی نسبت زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء ☆ بہتر از صد سالہ عبادت بے ریا

آداب شیخ

آداب کوملحوظ رکھنا خدمت کرنے سے بڑھ کر ہے ایک شیخ کا قول ہے جس کوادب نہیں اس کا ایمان وتوحید بھی نہیں ۔ترکِ ادب سے ذوق عمل جاتا رہتا ہے ۔جوادب سے محروم رہا وہ مقام قرب سے دور رہوتا ہے اگر وقار اور ادب دل میں پیدا ہوجائے تو زبان پر مہر سکوت لگ جاتی ہے اور قلب حرمت ووقار سے معمور ہوتو وہ زبان کو صحیح الفاظ سکھادیتا ہے ۔ظاہر کا حُسنِ ادب باطن کے حُسن ادب کی علامت ہے ۔اہلِ ادب ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذی عزّت ہیں، مشائخ طریقت کا اتفاق ہے کہ جوادب سے داخل ہووہ واصل ہوگیا۔

مرید شیخ کے لئے ایسا ہو جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں اس کا ارادہ شیخ کا ارادہ ہو <u>شیخ کے ارادہ میں فانی ہو</u> جب مرید شیخ کی عزت وحرمت ترک کردیتا ہے اللہ اس کے دل سے نورِ ایمان کھینچ لیتا ہے، سالک اپنے آپ کو اور اپنی مرادوں کو پیر کے سپرد کردے ۔اگر مرید اپنے پیر کی یاد میں مشغول رہتا ہے وہ اس مرید سے بہتر ہے جو تمام وقت پیر کی خدمت میں رہتا ہے ۔

مرشد کے روبرو کسی سے بات نہ کرے بلکہ کسی کی طرف متوجہ بھی نہ ہو جو سالک شیخ کے حضور ادھر اُدھر جھانکے یا ذہن کو حاضر نہ رکھے تو وہ بے ادبی کا مرتکب ہوتا ہے ۔جو کچھ مرشد کہے اس پر اعتراض نہ کرے ۔ہر طرح سے مرشد کا مطیع ہو مرشد جو کہے فوراً بجا لائے ۔خواب میں جو کچھ دیکھے مرشد سے عرض کر دے بلا ضرورت اور بلا اجازت مرشد سے علیحدہ نہ ہو مرشد کے سامنے اپنی آواز بلند نہ کرے جو کچھ حال ہو مرشد سے عرض کردے کہ وہ طبیب روحانی ہوتا ہے وہ اس کی اصلاح کرے گا مرشد کے کشف پر اعتماد کرکے خاموش نہ رہے بلکہ اپنے حالات سے مطلع کرے جو کچھ فیض باطنی پہنچے اس کو مرشد کا طفیل سمجھے اگرچہ دیکھے کہ کسی دوسرے سے فیض پہنچا ہے ۔

☆......اگر مرید کی توجہ اللہ پاک کی طرف کامل ہو تو اللہ اس کے دل سے شہوت دور فرما دیتا ہے۔

☆......شیخ کے اسرار کو پوشیدہ رکھے بلکہ اسرار کا امین ہو کیونکہ مشائخ آزماتے ہیں۔

☆......شیطان مرید کے اعتقاد میں تصرف کرتا ہے پیر کے متعلق بداعتقادی کراتا ہے راہ سلوک میں عقیدت ہی اصل ہے۔ پیر کے حق میں اعتقاد درست رکھنا لازم ہے۔ پیر پر اعتراض کرنا حقیقی مفارقت کا سبب ہے۔ اپنے مرتبہ سے بڑھ کر مرتبہ طلب نہ کرے بلکہ تمام اعلیٰ فیوض و برکات کا متمنی رہے تاہم شیخ سے حسنِ عقیدت کی بدولت اسے اپنی تمناؤں سے بڑھ کر فیض حاصل ہوتا ہے اور جلدی اپنے مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔

باطنی آداب:

اللہ تعالیٰ نے مرید اور شیخ میں ایک روحانی رشتہ قائم کر دیا ہے۔ جس طرح جسمانی ولادت میں بیٹا باپ کا ایک حصہ ہوتا ہے اسی طرح بیعت کرنے کے بعد مرید کی روحانی ولادت کا آغاز ہوتا ہے۔ لہذا پہلی جسمانی ولادت سے انسان کا اس ظاہری دنیا سے تعلق قائم ہوتا ہے اس رشتہ ارادت سے اور روحانی ولادت کی بدولت روحانی دنیا اور ملکوت سے اس کا رشتہ قائم ہوتا ہے کیوں کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی دانا ہو اگر اس نے انبیاء کی میراث حاصل نہیں کی تو سمجھ لو وہ روحانی طور پر پیدا ہی نہیں ہوا۔ مشائخ کو جب ہدایت حاصل ہوئی تو وہ اس بات کے مستحق ہو گئے کہ ان کی پیروی کی جائے انہیں پرہیز گاروں کا پیشوا بنایا گیا۔ پیر کے ساتھ نیت خالص اور پاک عقیدہ رکھے، دل خیالات فاسدہ سے خالی ہو۔ پیر کے کردار و افعال میں عیب کی آنکھ اور زبان طعن بند رکھے، نئے مرید پر لازم ہے کہ وہ پرانے مرید کی تقلید کرے۔

آداب سلوک (اقتباس از تعمیر ملت)

"جب تک بصیرت باطنی پیدا نہ ہو یا تمہارا مرشد اجازت نہ دے، حصول تعلیم یا کسب فیض کے لئے کسی دوسرے بزرگ کے پاس نہ جاؤ۔ اپنے مرشد کو دنیا کے باقی تمام زندہ بزرگوں سے زیادہ کامل سمجھو۔ خدا، رسول ﷺ، صحابہؓ اور آئمہ کے بعد سب سے زیادہ محبت اپنے مرشد سے کرو، اس کے احکام اور ہدایات پر آنکھ بند کر کے عمل کرو"۔

"شیخ کی مجلس میں ادب سے خاموش بیٹھو، خود ہرگز نہ بولو۔ شیخ کو بولنے کا موقع دو اور جو کچھ وہ کہے، غور سے سنو اور اس پر عمل کرو۔ شیخ سے بحث و مباحثہ کبھی نہ کرو، اس کے سامنے حرکات و سکنات میں انتہائی ادب ملحوظ رکھو، لیکن یہ خیال رہے کہ معاملہ تعبد کی حد تک نہ پہنچ جائے، مثلاً اتنا جھکنا کہ رکوع سے مماثلت پیدا ہو، سجدہ کرنا یا مجلس میں اس طرح بیٹھنا جیسے نماز میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بیٹھتے ہو جو ہرگز جائز نہیں، لیکن یہ بھی نہیں چاہئے کہ شیخ کی مجلس میں لیٹ جاؤ یا پاؤں پھیلا کر بیٹھو۔"

"بزرگوں کی مجلس میں بالکل بے غرض ہو کر صرف پند و نصائح سننے کو جاؤ۔"

ارشادِ عالیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ (اقتباس از مسوداتِ فقیر)

آپ مجھ سے غلط قسم کی توقعات رکھتے ہیں مجھ کو نہ علمِ غیب ہے اور نہ اللہ کے خزانوں کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہیں۔ نہ میں اپنا برا بھلا کر سکتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کا۔ صرف ٹیچر ہوں جو کوئی اللہ اللہ سیکھنا چاہے اسے سبق دے دیتا ہوں۔ وہ یاد کرے تو اس کی ترقی ہو جاتی ہے، نہ کرے تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔

(مکتوب بنام مخدوم ریاض حسین)

غصّے کی حقیقت اور اس کا علاج

(مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی)

بخاری، مسلم اور موطاء میں حضرت ابو ھریرہؓ سے حضور اکرم ﷺ کا ایک ارشاد مروی ہے:

لیس الشدید بالصرعة، انما الشدید الذی یملک نفسه عند الغضب (ریاض السنة. 405)

"بہادر وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے، بہادر تو وہ ہے جو غصّے کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے"۔

انسان کے اندر قدرت نے بے شمار تخریبی و تعمیری قوتیں رکھی ہیں۔ تخریبی اور تعمیری قوتوں کی تقسیم محض اعتباری ہے اور ان کا تعین صرف ان قوتوں کی کارگزاری سے ہوتا ہے۔ ورنہ حقیقت میں کوئی قوت نہ تعمیری ہے نہ تخریبی۔ جس قوت کو تخریب میں لگایا جائے تخریبی ہے اور جس قوت سے تعمیر کا کام لیا جائے وہ تعمیری ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ بعض قوتیں ایسی ہیں جن کا غالب استعمال کسی ایک پہلو میں ہوتا ہے خواہ وہ تخریب ہو یا تعمیر۔

غصہ بھی اس قسم کی ایک خاص جذباتی قوت ہے۔ ایک مجرد قسم کی قوت، جو خود تو نظر نہیں آسکتی، البتہ اس کے مظاہر نظر آجاتے ہیں۔ خون کا اندر ہی اندر کھولنا، دماغی توازن کا بگڑنا، سانس کا تیز ہونا، آنکھوں کا سُرخ ہوجانا، نتھنوں کا پھڑکنا، اعضاء میں کپکپی پیدا ہونا، زبان سے نامناسب الفاظ کا نکلنا، آواز کا بلند ہونا، مار پیٹ پر اُتر آنا وغیرہ...... یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جو غصّے کے مظاہر ہیں، آثار و علامات ہیں۔ یہ چیزیں خود غصّہ نہیں۔ غصّہ تو صرف ایک غیر مرئی جذبہ یا رجحان ہے جو اندر سے پیدا ہوتا ہے اور اپنے آثار و علامات کو مختلف شکلوں میں ظاہر کر دیتا ہے یہ جذبہ چونکہ عموماً دماغی توازن کو کھو دیتا ہے اس لیے یہ کہنا غلط نہیں کہ اس کا شمار ان جذباتی قوتوں میں سے ہے جس کا غالب استعمال غلط ہی ہوتا ہے اور اس کا زیادہ تر نتیجہ تخریب ہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ تاہم اگر انسان چاہے تو اپنی اسی شیطانی قوت کو رحمانی قوتوں سے ہم آہنگ کر سکتا ہے زیر نظر حدیث میں اسی کی راہنمائی کی گئی ہے اور اس کیلئے بڑا پیارا انداز اختیار کیا گیا ہے۔

پہلی چیز تو یہ ہے کہ شجاعت، بہادری اور زورِ بازو ایک اعلیٰ صفت ہے جس کی ہر ایک کو تمنا ہوتی ہے اور فی الحقیقت ہے بھی بڑا اونچا وصف بشرطیکہ اس کا استعمال صحیح ہو۔ اب دیکھیے ''شدّت'' و شجاعت کا عمومی مفہوم یہی ہوتا ہے کہ اپنے مدِ مقابل کو کُشتی میں پچھاڑنے کو زورِ بازو کے مفہوم سے الگ تو نہیں کیا جا سکتا۔ حضور ﷺ اس ''شدت'' و زورِ بازو کا ایک نیا تصوّر دیتے ہیں کہ کسی دوسرے کو زیر کر لینا بہادری اور زور آوری نہیں بلکہ اصلی بہادری زور و قوت یہ ہے کہ اپنے آپ کو زیر کر لو۔ اپنے آپ کو زیر کرنے کا موقع کب آ سکتا ہے؟ اس وقت جب خود اپنے اندر دو تخریبی و تعمیری قوتوں کی جنگ ہو رہی ہے۔ ایک طرف غصہ ہو، جذبہ انتقام ہو، نفسِ امّارہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا تقاضہ کر رہا ہو اور دوسری طرف نفسِ لوّامہ قوتِ عفو و درگزر اور رحمانی جذبات دل، دماغ، زبان اور اعضاء پر قابو رکھنے کا مطالبہ کر رہے ہوں۔ اس اندرونی جنگ کے وقت اگر اپنے نفسِ شیطانی کو زیر کر لیا جائے تو بلاشبہ اس بہادری کا درجہ کشتی میں زیر کر لینے کے مقابلے میں وہی ہوگا جو جہادِ اکبر کا جہادِ اصغر کے مقابلے میں ہے۔ گویا غصے کے جذبے کو فنا نہیں کرنا۔ بلکہ اس سے تعمیری کام لینا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس شیطانی قوت کو رحمانی قوت سے ہم آہنگ کر کے اپنے نفسِ امارہ کے خلاف استعمال کرنا ہے۔ یا یوں کہیے کہ غصّے کو دوسروں کی بجائے اپنے آپ پر اتارنا اور اس بات پر غصہ کرنا ہے کہ مجھے غصہ کیوں آیا اور اس غصے کا کیا صحیح مصرف ہو سکتا ہے۔

بڑے کافر کو مارا نفسِ امارہ کو گر مارا نہنگ و اژدھا و شیرِ نر مارا تو کیا مارا

شیخ سعدی شیرازی سہروری نے گویا حدیث ہی کے مضمون کو بڑی خوبی سے یوں ادا کیا ہے:

نہ مرد آنست نزدیک خردمند

کہ با پیل دماں پیکار جوید

یہ تو ایک نظریہ ہے جو زیرِ نظر حدیث میں بیان کیا گیا لیکن حضور ﷺ نے فقط اتنا ہی نہیں کیا کہ صرف ایک اصول دیکر چھوڑ دیا ہو بلکہ مختلف انداز سے اس جذبہ شیطانی کو دبانے کے

طریقے بھی ارشاد فرما دیئے ہیں اور بعض ایسے خاص مقامات کی نشاندہی بھی فرمائی ہے جہاں جذبات غیض وغضب پر قابو نہ رکھنے کا نتیجہ بہت تلخ اور دور رس ہوسکتا ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں

1- حضرت ابووائل،عطیہ کا قول بیان کرتے ہیں کہ:

"مجھے (عطیہ کو) حضور ﷺ نے فرمایا غصہ شیطانی فعل ہے شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ پانی سے بجھتی ہے لہذا جسے غصہ آئے وہ وضو کرلے"

یہ علاج بڑا سائنٹفک بھی ہے اور نفسیاتی بھی ۔غصہ فی الواقع ایک آگ ہوتا ہے جو خون میں تیزی، احتراق اور گرمی پیدا کردیتا ہے دل کی دھڑکن کو اور سانس کی رفتار کو تیز کرکے مزاج کے توازن کو بگاڑ دیتا ہے ۔اس خرابی کو دور کرنے کیلئے سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ اس میں ٹھنڈک پہنچا کر اسے اعتدال پر لایا جائے ۔جب وضو کیا جائے گا تو اس سے دو فائدے ہونگے ایک یہ کہ نفسیاتی طور پر توجہ اور خیال کا رخ بدل جائے گا اور دوسرا پانی کی ٹھنڈک سے مادی طور پر بھی خون کی تیزی اعتدال پر آجائے گی ۔

2- حضرت سلمان بن صردؓ سے بخاری، مسلم اور ابوداؤد میں روایت ہے کہ دو آدمیوں نے حضور ﷺ کے سامنے آپس میں گالی گلوچ کیا۔ایک شخص کا چہرہ گالی دیتے وقت غصے سے لال ہورہا تھا حضور ﷺ نے دوسرے سے فرمایا کہ "مجھے ایک ایسا کلمہ یاد ہے اگر وہ زبان سے کہے (یعنی اس حقیقت کا بھی قائل ہوجائے) تو اس کا غصہ جاتا رہے گا اگر وہ **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** کہے تو اس کا غصہ دور ہوجائے گا"

یہاں یہ حکمت نبوی ﷺ قابل غور ہے کہ حضور ﷺ نے اس غصہ کرنے والے کو نہ تو خود کچھ فرمایا نہ کسی دوسرے کو حکم دیا کہ وہ جا کر یہ بات کہہ دے اس کی وجہ یہ ہے کہ عین غصے کی حالت میں سمجھانے کا بعض اوقات الٹا اثر پڑتا ہے سمجھانا اس وقت مفید ہوتا ہے جب اس کے اندر خود ردعمل شروع ہوجائے ۔

دوسری حقیقت اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ غصہ فی الواقع ایک شیطانی جذبہ ہے اس لئے اس کا علاج یہ بتایا گیا **شیطٰن الرجیم** سے اللہ کی پناہ مانگی جائے۔ یہاں صرف چند لفظوں کی تکرار و اعادہ مقصود نہیں بلکہ اس حقیقت پر غور کرنے کی عادل ڈلوانا ہے غصے کے وقت اکثر و بیشتر انسان اندھا ہو جاتا ہے۔ اور اس کو یہ خیال ہی نہیں آتا کہ میں غصہ کر رہا ہوں اور یہ ایک بری چیز ہے اس لئے سب سے پہلے یہ احساس ہونا چاہیے کہ میرا یہ قدم غلط ہے اس احساس کے بعد ہی برے بھلے نتائج پر کچھ غور کیا جا سکتا ہے پھر اس غور کے بعد جب اسے یہ علم ہوگا کہ میں اس وقت شیطان کے پھندے میں آ گیا ہوں اور اس سے باہر نکلنا ضروری ہے تو وہ اس سے اللہ کی پناہ مانگے گا اور یقیناً اس کے غصے میں کمی آ جائے گی عموماً برائی اسی وقت تک قائم رہتی ہے جب تک اس کی خرابی اور خراب نتائج کا احساس نہ ہو اور استعاذہ کرنے (اعوذ باللہ پڑھنے اور اس پر غور کرنے) کے بعد یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے اور توجہ ہٹانے میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔

3۔ احمد بن حنبل مسند اور طبرانی کبیر میں حضرت ابن عباس سے حضور ﷺ کا ایک ارشاد نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے "تین بار تکرار سے یہ الفاظ فرمائے کہ اگر کسی کو غصہ آئے تو وہ چپ رہے"۔

یہ کوئی ضروری نہیں کہ غصے کے وقت خاموش رہنے سے غصے میں بھی کمی آ جائے مگر اس سے دو بڑے فائدے ہوتے ہیں ایک تو غصے کی حالت میں جو نامناسب کلمات نکلتے ہیں ان سے زبان آلودہ نہ ہوگی دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جس پر غصہ اتارا جا رہا ہے اگر وہ کوئی جواب دے تو غصہ اور بڑھے گا اور ان سوال و جواب میں بات بڑھتے بڑھتے بہت خراب نتائج پیدا کر سکتی ہے اس لئے غصے میں خاموش ہو جانے سے بہت سے فتنے دب جاتے ہیں اور اسباب غصہ پر غور و خوض کا موقع پیدا ہو کر اعتدال کا امکان زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ غصے کے وقت خاموشی اختیار کرنے کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ زبان سے تو غصہ نہ کیا جائے اور دل میں رکھ کر اپنے خون کو کھولایا جاتا رہے۔ یہ خاموشی محض اس لئے ہے کہ زبان کی راہ سے مزید غصے کا امکان باقی نہ رہے اور اس کے بعد دل کے غصے میں بھی

رفتہ رفتہ کمی آ جائے۔نعوذ باللہ اگر اس کا یہ مطلب ہوتا کہ زبان پر تو غصہ نہ ہو مگر دل میں غصہ بھرا رہے تو ایسی خاموشی سے تو وہ غصہ بہتر ہے جو دل کی بھڑاس کو زبان کے راستے سے نکال دے۔

4- عطیہ کے والد سے ایک فرمان نبوی ﷺ مسند احمد اور کبیر طبرانی میں یوں مروی ہے کہ

"اگر کسی سلطان پر غصہ سوار ہو تو سمجھ لو شیطان مسلط ہو گیا ہے"۔

یہ حدیث بھی بڑی اہم ہے کہ جو شخص جس مرتبے کا ہو گا اسی مرتبہ کا اثر بھی اس کے غصہ سے مرتب ہو گا۔ایک بچے کا غصہ اور ہوتا ہے ماں باپ کا غصہ اور ہوتا ہے قاضی کا غصہ اور اثر رکھتا ہے امیر مملکت کے غصے کا اثر اور ہوتا ہے بعض غصے بالکل ذاتی اثر رکھتے ہیں اور بعض غصے کا اثر پوری قوم پر پڑتا ہے۔ایک حاکم مملکت کے متعلق اسی لئے خاص طور پر کہا گیا ہے کہ اگر اس پر غصہ سوار ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ شیطان کی سب سے بڑی مراد بر آئی کیونکہ اس کا اثر محدود نہیں رہے گا بلکہ پوری کی پوری ملت پر پڑے گا۔ظاہر ہے کہ غصے میں دماغی توازن عموماً صحیح نہیں رہتا۔اسلئے حاکم وقت کا ایک غلط اشارہ پوری قوم کو تباہ کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ قاضی کو بھی اس سے خبر دار کیا گیا ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ "غصے کی حالت میں کوئی قاضی و منصف دو آدمیوں کے درمیان کوئی فیصلہ نہ کرے"

فرمانِ نبوی ﷺ

حضرت ابو ھریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمایئے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو۔اس شخص نے کئی مرتبہ اپنا سوال دہرایا تو آپ ﷺ نے (ہر مرتبہ)فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو۔(بخاری)

صلہ رحمی

(پیر خان توحیدی)

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے یہ جہاں اپنے پیروکاروں کو ہمہ وقت نیکی کی ترغیب دیتا ہے اور برائیوں سے بچنے کا حکم دیتا ہے وہاں صلہ رحمی کرنے اور قطع رحمی سے باز رہنے پر بھی زور دیتا ہے صلہ رحمی کے معنی ہیں رشتوں کو جوڑنا اور قطع رحمی کے معنی ہیں رشتوں کو توڑنا ۔اسلام نے رشتہ داری کو وہ معزز او ربلند مقام دیا ہے جو تاریخ انسانی میں کسی مذہب کسی نظریہ اور کسی شریعت نے نہیں دیا ۔اسلام نے رشتوں کا پاس اور لحاظ کرنیکی تلقین کی ہے ۔اور صلہ رحمی کی ترغیب دلائی ہے اور قطع رحمی سے منع کیا ہے ۔عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب کسی آدمی کو دنیا کی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں روزی کی بہتات ہوتی ہے اس کے خزانے مال و دولت سے بھر جاتے ہیں تو وہ اپنے رشتہ داروں کو بلکہ بعض اوقات ماں باپ کو بھی بھول جاتا ہے اور ان سے بے توجہی برتنے لگتا ہے ۔اسلام کے اعزاز و اکرام کا اندازہ اس سے بڑھ کر کسی چیز سے نہیں ہوسکتا کہ جس کی تصویر کشی رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمائی کہ رشتہ داری اللہ تعالیٰ کے رُوبرو (اُس میدان میں جہاں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تخلیق فرمائی) کھڑی ہوتی ہے اور رشتوں کے کاٹنے والوں سے پناہ مانگتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی درخواست قبول فرمالیتا ہے چنانچہ جو رشتوں کو جوڑتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے جوڑتا ہے اور جو رشتوں کو کاٹتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے کاٹ دیتا ہے ۔

قرآن کریم میں کئی آیات ہیں جو رشتہ داری کا مقام واضح کرتی ہیں ۔اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے رشتوں کا احساس کرنے اور ان کی ادائیگی پر ابھارتی ہیں ۔اور ان حقوق کو ہضم کرنے ۔انہیں پامال کرنے یا اس سلسلہ میں ظلم کرنے یا تکلیف پہنچانے سے روکتی ہیں اور رشتوں کے تعلقات کو خراب کرنے سے ڈراتی ہیں مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے "اس اللہ

سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) مانگتے ہو اور رحموں کے قطع کرنے سے ڈرو" (النساء)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دے کر رشتہ کی عظمت کا احساس دلایا اور رشتہ کا پاس اور لحاظ کرنے کی تاکید کی ہے۔

سچے اور پکے مسلمان کے شعور واحساس میں رشتہ کی اہمیت ومنزلت کے لئے یہی کافی ہے کہ بیشتر آیات میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے، اس کی بندگی کرنے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بعد صلہ رحمی کرنے اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن سلوک میں رشتہ داروں کا درجہ والدین کے بعد آتا ہے پھر حسن سلوک کا دائرہ رشتہ داروں سے وسیع ہوتا جاتا ہے اور اسی کی برکات ان تمام محتاجوں اور ضرورت مندوں کو حاصل ہوتی ہیں جو انسانی برادری میں رہتے ہیں۔ اسلام میں معاشرتی کفالت وتعاون کا آغاز گھر سے ہوتا ہے پھر وہ رشتہ داروں تک وسیع ہو کر پوری جماعت پر حاوی ہو جاتا ہے جس سے محبت الفت اور مہربانی کی خوشگوار فضا پھیلتی ہے اور زندگی کو حسین اور خوشگوار بناتی ہے۔

صلہ رحمی ان اولین اسلامی اصولوں میں سے ہے جن کے ساتھ یہ دین روز اول ہی سے دنیا والوں کے سامنے ظاہر ہوا جب رسول اللہ ﷺ نے دعوت کا اعلان فرمایا اس کے اصولوں کی تشریح کی اور اس کے نقوش واضح کئے چنانچہ رشتہ داروں کے ساتھ اچھے تعلقات اور نیک برتاؤ شریعت اسلامی کے ممتاز اور نمایاں اصولوں میں سے ہے اس کی تائید حبشہ کے بادشاہ ہرقل کے دربار میں ابوسفیان کی اس گفتگو سے بھی ہوتی ہے کہ جب ہرقل نے مکہ کے سردار ابوسفیان سے پوچھا کہ تمہارا نبی کن چیزوں کا حکم دیتا ہے اور کن سے منع کرتا ہے تو ابوسفیان نے جواب دیا وہ کہتے ہیں صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور جو کچھ تمہارے باپ دادا کرتے تھے اسے چھوڑ دو نماز پڑھو اور صلہ رحمی کرو یہاں پر بھی صلہ رحمی کو دین حنیف کے بنیادی اصولوں میں شمار کیا گیا ہے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، یہ آغاز نبوت کا زمانہ تھا میں نے عرض کیا آپ کیا ہیں؟ فرمایا نبی ہوں۔

میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیا دے کر بھیجا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے رشتہ داروں کو جوڑنے اور بتوں کو توڑنے کے لئے بھیجا ہے تا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے ۔سیدنا ابو ایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جس سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں ۔نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ نماز قائم کرو زکوۃ ادا کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرو ۔

مندرجہ بالا احادیث نبوی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت توحید نماز اور زکوۃ کے بعد صلہ رحمی کا شمار بھی ان نیک اعمال میں ہوتا ہے جن کی بدولت ان کا کرنے والا جنت میں داخل ہوگا اور جہنم سے محفوظ رہیگا سیدنا ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے رب سے ڈرے گا وہ صلہ رحمی کریگا

صلہ رحمی کے فوائد:۔

1 ۔صلہ رحمی سے محبت بڑھتی ہے ۔ 2 ۔صلہ رحمی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے ۔

3 ۔صلہ رحمی کرنے والا بُری موت نہیں مرتا ۔ 4 ۔صلہ رحمی کرنے والے سے اللہ اپنا رشتہ جوڑتا ہے ۔

5 ۔صلہ رحمی کرنے والے کے رزق میں کشادگی ہوتی ہے ۔

6 ۔صلہ رحمی سے مصیبتیں اور آفتیں ٹلتی ہیں ۔

7 ۔ صلہ رحمی کرنے والے کو جنت میں جانے کا استحقاق حاصل ہوتا ہے ۔

8 ۔صلہ رحمی کرنے والی قوم پر اللہ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے ۔

9 ۔صلہ رحمی کرنے والے کے لئے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں

قطع رحمی کے نقصانات :۔

1۔ قطع رحمی کرنے والے پر نحوست اور مصیبت طاری ہوتی ہے۔
2۔ قطع رحمی کرنے والے سے اللہ نفرت کرتا ہے اور لوگ بھی اس سے بغض رکھتے ہیں۔
3۔ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔
4۔ قطع رحمی کرنے والے کا عمل قبول نہیں کیا جاتا۔
5۔ قطع رحمی کرنے والے سے اللہ کی رحمت رک جاتی ہے اور دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔
6۔ قطع رحمی کرنے والا ہر جگہ ذلت اور رسوائی سے دوچار رہتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم سے ملک کو آباد فرماتا ہے اور اس کو دولت مند کرتا ہے اور کبھی دشمنی کی نظر سے ان کو نہیں دیکھتا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس قوم پر اتنی مہربانی کیوں ہوتی ہے؟ فرمایا کہ رشتے ناطے والوں کے ساتھ اچھا سلوک اور پڑوسیوں سے میل جول رکھنے اور خوش خلقی برتنے سے ملک سرسبز اور آباد ہوتے ہیں اور ایسا کرنے والوں کی عمریں بڑھتی ہیں۔ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ نے عورتوں کو خیرات کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اور کچھ نہ ہو تو زیور ہی خیرات کریں۔ حضرت زینبؓ نے یہ حکم سن کر اپنے خاوند حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ تم جا کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھو اگر کچھ حرج نہ ہو تو جو کچھ مجھے خیرات کرنا ہے وہ میں تمہیں دے دوں تم بھی تو محتاج ہو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ تم خود ہی جا کر پوچھ لو یہ بی بی مسجد نبوی کے دروازے پر حاضر ہوئیں وہاں دیکھا کہ ایک اور بی بی بھی کھڑی تھیں جو اسی ضرورت سے آئی تھیں۔ ہیبت کے مارے ان دونوں کو جرات نہ پڑتی تھی کہ اندر جا کر خود نبی کریم ﷺ سے پوچھتیں۔ حضرت بلالؓ نکلے تو ان دونوں نے کہا کہ حضور سے جا کر کہو دو عورتیں کھڑی پوچھتیں ہیں کہ ہم لوگ اپنے خاوندوں اور یتیم بچوں پر ''جو ہماری گود میں ہوں'' صدقہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بلالؓ سے چلتے چلتے یہ بھی کہہ دیا کہ یہ نہ کہنا کہ ہم کون ہیں۔

حضرت بلالؓ نے عرض کیا نبی کریمﷺ نے فرمایا کہ کون پوچھتا ہے۔ بلالؓ نے کہا ایک قبیلہ انصار کی بی بی ہے اور ایک زینبؓ۔ آپﷺ نے فرمایا کون زینب انہوں نے کہا عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی۔ آپﷺ نے فرمایا کہ دو کہ دوہرا ثواب ملے گا قرابت کی پاسداری کا علیحدہ اور صدقہ کرنے کا علیحدہ (بخاری و مسلم)۔

سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبیﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بنی آدم کے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور ہر جمعرات کی شام کو پیش کئے جاتے ہیں اس وقت قطع رحمی کرنے والوں کے اعمال قبول نہیں کئے جاتے نبیﷺ کا فرمان عالی شان ہے۔"قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا"۔ قطع رحمی ایسا گناہ ہے جس کا ارتکاب کوئی مسلمان نہیں کرسکتا جس کا دل اسلامی تعلیمات سے منور اور نفس اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور خوشنودی پر راضی ہو اس لئے قطع رحمی کا شمار ان گناہوں میں ہوتا ہے جن کی سزا آخرت سے قبل ہی دنیا میں مل جاتی ہے۔

اسلام نہ صرف ماں باپ اور رشتہ داروں سے حسن سلوک اور صلہ رحمی کا متقاضی ہے بلکہ اس نے اپنی سماجی رواداری اور انسانیت میں بلند ہو کر غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرنے کی تلقین کی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضورﷺ کو علی الاعلان بغیر کسی اخفا کے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قبیلہ بنی فلاں کے لوگ میرے دوست نہیں ہیں بلکہ میرا دوست تو اللہ تعالیٰ اور نیک لوگ ہیں لیکن ان سے رشتہ داری ہے جسے میں تر و تازہ رکھوں گا۔ جب سورہ الشعراء کی آیت "(اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ"، نازل ہوئی تو رسول اللہﷺ نے قریش کو بلایا جب سب جمع ہوگئے تو آپﷺ نے تمام لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا اے عبد شمس۔ اے بنی کعب بن لوئی اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اور اے بنی عبدالمطلب اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ اور آخر میں فرمایا اے فاطمہؓ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

ایک بار سرکار دو عالمﷺ نے مجمع میں یہ فرمایا کہ جو شخص رشتہ داری کا پاس ولحاظ نہ کرتا ہو وہ ہمارے پاس نہ بیٹھے یہ سن کر ایک شخص مجمع سے اٹھا اور اپنی خالہ کے گھر گیا جس سے

کچھ ناراضگی تھی اس نے اپنی خالہ سے معذرت کی اور قصور معاف فرمایا پھر آ کر دربار نبوت میں شریک ہوگیا جب وہ واپس آ گیا تو سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا اس قوم پر اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں ایسا شخص موجود ہو جو اپنے رشتہ داروں سے بگاڑ رکھتا ہو۔

صلہ رحمی کا ایک عبرت ناک واقعہ جو کچھ عرصہ قبل میں نے روزنامہ ایکسپریس میں پڑھا تھا جسے شاید جاوید چوہدری نے تحریر کیا تھا قارئین کی نظر کرتا ہوں۔ یہ کسی لیڈی ڈاکٹر کا لمبا چوڑا خط تھا۔ جس کا مفہوم پیش کرتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحبہ لکھتی ہیں کہ ہم تین بہن بھائی تھے۔ والد صاحب پڑھے لکھے اور اچھے عہدے پر فائز تھے جبکہ میری ماں کوئی خاص تعلیم وتربیت کی خاتون نہ تھیں۔ میں اپنے دونوں بھائیوں سے بڑی تھی۔ والدین نے ہماری تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھا۔ مجھے ایف ایس سی کے بعد میڈیکل میں داخلہ مل گیا۔ جبکہ دونوں بھائی کالج تک پہنچ گئے۔ گھر کا ماحول بہت پرسکون تھا ہنسی خوشی دن گزر رہے تھے کہ اچانک ایک دن والد صاحب چپکے سے ایک دلہن گھر میں لے آئے جسکا اس سے پہلے کبھی ذکر تک نہ کیا گیا تھا ہم بہن بھائیوں کو بہت دکھ ہوا۔ والدہ جو پہلے ہی بہت کم بولتی تھیں اب پوری خاموشی اختیار کر بیٹھیں۔ ہم تینوں والدہ کے ساتھ بالائی منزل پر رہائش پذیر ہو گئے۔ ایم بی بی ایس کرنے کے بعد میری شادی ہوگئی بھائیوں کو بھی تعلیم پوری کرنے کے بعد نوکریاں مل گئیں اور ہماری والدہ کا انتقال ہوگیا۔ میرے شوہر کا فیصل آباد میں اچھا خاصا کاروبار تھا۔ میں نے بھی کلینک کھول کر پریکٹس شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے کھول دیئے بڑی پرسکون زندگی بسر ہونے لگی۔ میں جب بھی اپنے والد کو دیکھنے لاہور جاتی تو میری نئی امی جو پڑھی لکھی خاتون تھیں بڑے تپاک سے ملتیں حال احوال پوچھتیں اور خوب خدمت کرتیں اللہ نے انہیں بھی یکے بعد دو بیٹوں سے نوازا۔ والد صاحب ریٹائرمنٹ کے بعد جلد ہی عارضہ قلب میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے۔ اب اس گھر میں سوتیلے بھائی اور ماں بے یارومددگار رہنے لگے والد کی جمع پونجی سے ان کا گزارہ مشکل سے چلتا تھا اس لئے میں اللہ کے دیئے ہوئے سے ہر ماہ کچھ نہ کچھ رقم ان کے خرچہ کیلئے بذریعہ

منی آرڈر بھیج دیا کرتی تھی ۔ایک دن حسب معمول جب میں انہیں منی آرڈر بھیجنے جارہی تھی کہ میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ ان کی مدد بند کر دوں مجھے اس سے کیا ملتا ہے اور میں بغیر منی آرڈر کئے گھر واپس آ گئی دو تین ماہ گزر گئے اور میں انہیں تقریباً بھول ہی گئی اچانک ایک رات میری پانچ چھ سال کی بیٹی نے رونا اور بلبلانا شروع کر دیا دیکھا تو اسے سخت ٹمپریچر تھا دوائی پلائی لیکن افاقہ نہ ہوا صبح ایک ماہر ڈاکٹر کو چیک کرایا لیکن اس کی دوائی بھی کارگر ثابت نہ ہوئی اور بچی کی حالت مزید بگڑنے لگی ۔اسی دوران زمینوں کے جھگڑے میں میرے شوہر کے ہاتھوں ایک آدمی شدید زخمی ہو گیا جسکی وجہ سے انہیں حوالات میں بند کر دیا گیا بڑی کوشش اور اچھی خاصی رقم خرچ کرنے کے باوجود ضمانت نہ ہو سکی ۔دوسری طرف کاروبار میں اچھا خاصا نقصان ہونے لگا۔ میں حیران تھی کہ آخر کس گناہ کی سزا مل رہی ہے ۔میں بہت پریشان تھی ۔ایک دن عصر کی نماز کے بعد مصلے پر بیٹھے ہوئے میری آنکھیں اچانک برس پڑیں میں سجدے میں جا کر خوب روئی اور اللہ سے گڑگڑا کر معافیاں مانگنے لگی کہ اچانک میرے کانوں میں ایک غیبی آواز آئی یہ ساری سزائیں تمہیں قطع رحمی کی مل رہی ہیں ۔تو نے کیوں اپنے سوتیلے بھائیوں اور سوتیلی ماں کی مدد بند کر دی جب کہ وہ اس وقت تیری مدد کے طلب گار بھی ہیں ۔میں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اپنے آپ کو سنبھالا دے کر مصلے سے اُٹھ کھڑی ہوئی دوسرے دن سب سے پہلا کام جو میں نے کیا وہ اپنی سوتیلی ماں کو رقم بھیجنے کا کیا اور اس سے معافی مانگی وہ بہت خوش ہوئی اور مجھے ڈھیروں دعائیں دیں ۔اللہ کا کرنا بیٹی کی بیماری شفاء میں بدلنے لگی شوہر ضمانت پر گھر آ گئے اور راضی نامہ بھی ہو گیا کاروبار دوبارہ چل پڑا بلکہ ہمارے سارے کام پہلے کی طرح چل پڑے ۔میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور باقاعدگی سے ہر ماہ امی کو منی آرڈر کا سلسلہ جاری کر دیا۔ہمارے گھر میں پھر وہی خوشیاں اور رونقیں لوٹ آئی ہیں ۔دعا ہے کہ خداوند کریم ہم سب کو صلہ رحمی کی توفیق عطا فرمائے اور قطع رحمی سے بچائے ’’آمین‘‘

اللہ اور بندے کا باہمی تعلق

(مرسلہ: سید مدثر حسن بخاری)

طبیعی قوانین جو انسان سمیت پوری کائنات میں رائج و نافذ ہیں اور معاشرتی قوانین جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے بنائے ہیں دونوں کی محکمیت اور پختگی اور نتائج کے اعتبار سے اٹل اور قطعی اور یقینی ہونے پر یقین لانے کے بعد اب آگے چلئے!

یہ امر خصوصی طور پر قابل توجہ ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام جانداروں کی رزق رسانی ہمارے ذمہ ہے اور دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کروڑوں انسانوں کو مناسب اور متوازن غذا نہیں ملتی اور قحط میں لاکھوں انسان بھوک سے مرجاتے ہیں اب کیا ہم یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ سب کا رزق اس کے ذمے ہے؟ نہیں ہمارا یہ سوچنا کم علمی پر مبنی ہوگا حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ہر ذی روح کے لئے سامان رزق کی صلاحیت ودیعت کردی ہے زمین کی ان صلاحیتوں سے کام لینا ہمارا کام ہے ہم کام ہی نہ لیں تو یہ ہمارا قصور ہے بات یہ ہے کہ جو وسائل رزق کرہ ارض پر پھیلے ہوئے ہیں اور جو تمام نوع انسانی کیلئے قدرت الہیٰہ نے پیدا کر رکھے ہیں جو غلط تقسیم، گروہی، اجارہ داری قوموں کی تنگ نظری وخود غرضی اور غلط منصوبہ بندی کی وجہ سے ناکافی نظر آتے ہیں ورنہ وہ نوع انسانی کے لئے بالکل کافی ہیں۔صرف ان کی تقسیم کا نظام غیر منصفانہ ہے یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اُسے منصفانہ تقسیم کرکے نوع انسانی کو فلاح و بہبود سے ہمکنار کریں۔

جہاں تک حوادثِ ارضی و سماوی کا تعلق ہے اُن کے جملہ اسباب و علل کی تحلیل ابھی انسان ذہنی و فکری ترقی کے باوجود نہیں کرسکا ہے جب ان اسباب و علل کا انسان کو پوری طرح علم ہو جائیگا۔تو وہ سیلاب، خشک سالی، قحط پر کنٹرول کرنے کے قابل ہو جائے گا۔تاہم اس وقت بھی اس راہ میں بہت پیش قدمی ہو چکی ہے سیلاب کے لئے دریاؤں کے پشتے بنائے جارہے ہیں

بارش کے پانی کی کمی دور کرنے کے لئے ٹیوب ویل اور بڑے بڑے بند اور پانی کی وافر مقدار کو محفوظ کرنے کا انتظام کیا جا چکا ہے۔ ان تمام ذرائع سے پیدوار کو بڑھایا جا رہا ہے مرغی اور رأس کے انڈے کی بڑے پیمانے پر پیدوار کا طریقہ نکالا جا رہا ہے اسی طرح مچھلی کی افزائش نسل کیلئے کام ہو رہا ہے۔ سمندروں کی تہہ میں جو سامان رزق قدرت نے نوع انسانی کے لئے رکھ دیا ہے اس کی طرف بھی توجہ ہو رہی ہے اور یہ سب کام خدا انسان کے ہاتھوں سے کرا رہا ہے۔

پوری کائنات میں غور و فکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خالق کائنات نے نظام عالم میں انسان کو مرکزی حیثیت عطا فرمائی ہے خدا نے نوع انسان کو عقل و حکمت عطا کر کے اُسے اختیار و ارادہ دیا ہے کہ وہ ساری کائنات میں پھیلے ہوئے اسباب رزق کو بروئے کار لائے اور اُن سے حاصل شدہ رزق کو عادلانہ طریق پر تمام اقوام عالم میں تقسیم کرے۔ اگر تمام قوموں کی مجموعی عقل و حکمت اور ہنر مندی و تدبیر کو استعمال کیا جائے تو رزق کی کمی دنیا کے کسی خطہ میں محسوس نہیں ہو گی کیونکہ ایک کم پیداوار کا علاقہ دوسرے شاداب و سرسبز علاقے سے رزق حاصل کر سکتا ہے بلکہ دنیا کی تمام نعمتیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا ان کی عادلانہ تقسیم کے بعد کسی قوم کا محروم رہنا ناممکن ہے مگر شرط یہ ہے کہ لوگوں کے دل خود غرضی، تعصب اور رنگ و نسل پر مبنی برتری اور تفوق و تکبر سے پاک ہوں۔

خدا ہر جاندار اور ہر انسان کے منہ میں خود لقمہ نہیں ڈالتا بلکہ اس نے سب کی کامل کفالت کا سامان پیدا فرما دیا ہے چنانچہ زمین، سورج، ہوا، پانی، بیج وغیرہ سب اللہ نے پیدا کر دیئے لیکن کاشت کر کے غلہ پیدا کرنا اسے پیس کر آٹا بنانا گوندھنا اور روٹی پکا کر کھانا اور دوسروں کو کھلانا بھی انسان کا کام ہے اور ان وسائل رزق کی منصفانہ تقسیم بھی اُسی کی ذمہ داری ہے۔

اللہ اور اس کی مخلوق کے باہمی تعلق کو ہم حضرت عمر فاروقؓ کے اس قول سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ "میں نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھوک سے مر جائے" یا پھر بڑھیا کے اس قول سے کہ "عمر خلافت کے قابل نہیں اگر اُسے میری حالت کا

علم نہیں''اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت عمر فاروق ؓ کو ذاتی طور پر ہر شخص سے واسطہ ہو یا وہ ہر شخص کو اپنے ہاتھ سے خوراک فراہم کریں۔اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایسا نظام قائم ہو جس میں کسی کی حاجت یا جائز ضرورت رُکی نہ رہے ہر ایک کو اس عادلانہ نظام کا مساوی ومنصفانہ فائدہ پہنچے کسی پر ظلم نہ ہو کوئی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے حاصل کلام یہ ہے کہ خدا کی رزاقیت کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے رزق کے جملہ اسباب ووسائل مہیا کر دیئے ہیں لیکن اُن سے کام لینا فائدہ اٹھانا اور دوسروں کو پہنچانا ہمارا کام ہے۔

ذرا اور آگے چلئے یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی شر نہیں سب خیر ہے لیکن اس کے ساتھ ہی روزمرہ اس کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں کہ چوری چکاری ڈکیتی ظلم اور برائی تمام دنیا میں جاری وساری ہے جس کے نتیجے میں ہر طرف شر ہی شر پھیلا ہوا نظر آتا ہے ذرا سوچئے کہ یہ کتنی غلط بات ہوگی اگر ہم یہ کہہ دیں کہ انسان سے یہ تخریبی کام اللہ خود کراتا ہے کیونکہ اس کے حکم کے بغیر تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔بات صرف اتنی ہے کہ اللہ نے ہمیں خیر کا حکم دیا ہے لیکن ہمیں خیر پر مجبور نہیں کیا جب ہم اپنے ارادے کی آزادی کا غلط استعمال کرتے ہوئے خیر کے اہتمام میں کوتاہی کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں شر پیدا ہو جاتا ہے ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ بھلائی چاہنے والا خدا انسان کو شر اور برائی پر مجبور کرے۔

اصل بات یہ ہے کہ اسباب وعلل اور ان کے نتائج وعواقب کا جو جال بچھا ہوا ہے وہ سب کا سب خدا کا پیدا کردہ ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے امور کی حرکت وسکون یا خیر وشر کو اپنی طرف منسوب کیا ہے چونکہ اس نے یہ ہمیں اختیار دیا ہے کہ ہم خیر کی طرف جائیں یا شر کی طرف۔اس طرح گویا شر کو اختیار کریں۔لہٰذا دنیا میں جو شر نظر آتا ہے وہ خود انسان کا اپنا پیدا کردہ ہے۔تلوار کاٹتی ہے، آگ جلاتی ہے، پانی میں روانی ہے یہ سب خیر ہی خیر ہے اگر یہ چیزیں اپنا کام نہ کریں تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے لیکن اگر تلوار سے کوئی ظالم کسی کو ناحق قتل کرتا ہے اور کوئی بے رحم آگ سے لوگوں کے گھروں کو جلاتا ہے یا کوئی پانی میں اپنی غلطی سے ڈوب

جا تا ہےتو تلوار کی کاٹ میں آگ کے جلانے میں پانی کے ڈبونے کی صفت میں کوئی شر نہیں تھا۔ بلکہ انسان کے اپنے غلط استعمال نے شر پیدا کیا ہے لہذا دنیا میں تمام شر صرف آزادی عمل کے غلط استعمال سے ہی پیدا ہوتا ہے اس میں ایک اہم استثناء آفات ارضی وسماوی ہیں جن پر بظاہر احوال انسان کو قدرت حاصل نہیں لیکن ان میں سے اکثر وبیشتر کا تعلق قوموں اور نسلوں کے اجتماعی طرز عمل کی غلطی سے ہوتا ہے ۔اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ سب کچھ اسی کے حکم سے ہوتا ہے اس سے مراد اللہ کا وہ قانون ہے جو پوری کائنات اور انسانوں کی دنیا میں جاری وساری ہے اللہ تعالیٰ نے ہر عمل اور اس کا ایک نتیجہ متعین کر رکھا ہے انسان کو ارادہ عمل کی آزادی دی ہے لیکن کسی عمل کا نتیجہ انسان اپنی مرضی سے مرتب نہیں کر سکتا۔ اعمال کے نتائج صرف وہی مرتب ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہیں الا یہ کہ کسی عمل کے نتیجے کو خدا خرقِ عادت کے طور پر اپنے خصوصی اختیار کو بروئے کار لاتے ہوئے ظہور پذیر ہونے سے روک دے اور یہ جیسا کہ پہلے بار بار عرض کیا جا چکا ہے کہ ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے یہی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اختیار کے معنی ہیں کہ نہ تو اعمال کے نتائج مرتب ہونے میں انسان کو کوئی اختیار ہے نہ نتائج کو بدلنے کی اس میں کوئی قدرت ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتو سارا نظام عالم درہم برہم ہو کر رہ جائے اور شریعت الٰہیہ نہ صرف معطل ہو کر رہ جائے بلکہ بے معنی نظر آنے لگے لہذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ نتائج اعمال کو انسان کی دسترس سے باہر رہنا چاہیے۔

انسان اپنے مختلف رشتوں ناطوں کی بنا پر دوسرے انسانوں سے مختلف نوعیت کے تعلقات قائم کرتا ہے وہ محبت اور نفرت کا تعلق بالعموم حق و باطل کی بنیاد پر قائم نہیں کرتا بلکہ اپنی شہوت وخواہشات یا نسب و برادری کی بنیاد پر کرتا ہے اور اپنی نادانی میں اس طرح کا معاملہ وہ اللہ کا بھی سمجھتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا تعلق نوعِ انسانی سے عدل وانصاف کی بنیاد پر قائم ہے اس کا کسی قبیلہ یا کسی فرد سے رشتے ناطے کا تعلق نہیں ہے اس کا تعلق اس کے قوانین طبیعی واخلاقی کے مطابق ہے اس دنیا میں وہ سب سے عادلانہ سلوک کرتا ہے اُسے کسی انسان سے اس کی ذاتی

حیثیت میں نہ محبت ہے نہ نفرت اُسے تو صرف خیر و نیکی سے محبت ہے اور صرف شر اور بدی سے نفرت ہے جس انسان میں جتنا شر، برائی اور قانون خداوندی سے سرکشی ہے اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بُرا ہے۔

آج اقوام مغرب سر بلند اور خوش حال ہیں تو اس لئے کہ انہوں نے کم از کم اپنی زندگیوں کو قدرت کے طبیعی قوانین سے ہم آہنگ کر لیا ہے اور مسلمان زندگی کے ہر شعبے میں پیچھے ہیں تو اس لئے کہ انہوں نے اپنی زندگی کو قدرت کے نہ اخلاقی اور معاشرتی قوانین سے ہم آہنگ کیا نہ طبیعی سے بلکہ انہوں نے طبیعی قوانین کی خلاف ورزی ہی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اقوام مغرب سے خدا کو کچھ محبت نہیں ہے اور مسلمانوں سے کوئی عداوت نہیں ہے یہ تو اپنا اپنا عمل ہے اور اسی کے مطابق ہر ایک کا نتیجۂ عمل ہے۔

اللہ اور بندے کا تعلق اتنا ہی ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے ایسا مزاج عالم بنایا ہے کہ انسان اگر اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کے مطابق عمل کرے تو اس کیلئے کشادگی خوشحالی ، سکون، اطمینان ہے اور اگر اس کے قائم کردہ مزاج عالم کے خلاف کیا جائے تو اسباب عیش کی فراوانی ،نت نئی ایجادات اور سامان راحت کی کثرت کے باوجود خون خرابہ فساد بدامنی بے اطمینانی، گھٹن، اور خوف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آج ساری دنیا پر خوف و ہراس کا جو بادل چھایا ہوا ہے۔ وہ نتیجہ ہے احکام خداوندی کے خلاف اقوام عالم کے عمومی کردار کا۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کیلئے ایک قانون مقرر کر دیا ہے اور نتیجہ اس کے مطابق ہی مرتب ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا کیا کام باقی رہ جاتا ہے اس طرح تو وہ خود معطل اور کائنات کا سارا نظام میکانیکی ہو کر رہ جاتا ہے،۔ اور شبہے کے جواب میں اول تو ہمارے تمہیدی مضمون سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک عظیم اور وسیع نظام کا مالک ہے جو اس کے حکم پر چل رہا ہے وہ اس عظیم کائنات کا قیوم نگران کارساز اور مدبر و منتظم بھی ہے۔ اور اپنی اس تخلیق میں مسلسل اضافہ بھی فرما رہا ہے۔ انسانوں کی دنیا تو بڑی مختصر اور چھوٹی اور انتہائی معمولی سی شے ہے۔

دوسرے کیا اللہ تعالیٰ اُسی وقت کام کرتا معلوم ہوگا جب وہ ہر آن اپنے ہی مقرر کردہ قوانین کو اُلٹ پلٹ کرتا رہے اور رجب جیسے جی میں آئے احکام صادر فرماتا رہے اس صورت میں آپ کا یقین کس بنیاد پر قائم ہوگا۔ اگر اعمال کے نتائج بغیر کسی مقرر کردہ طریقے کے مرتب ہوں تو اعمال اور یقین کی اساس ہی منہدم ہوجاتی ہے حالانکہ ایمان کا تقاضہ تو یہ ہے کہ آپ یقین رکھیں کہ ہر عمل کا وہی مقررہ نتیجہ مرتب ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو خود بتا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے ہر وقت نگراں اور سرگرم ہے اور اس کام کی وجہ سے اس کو نہ تھکاوٹ ہوتی ہے نہ کوئی دشواری کیونکہ اس کا کام تو قانون بنا دینا ہے پھر کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے مطابق مصروف عمل ہو جاتا ہے اور اسباب و علل کے قوانین کے مطابق عمل کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملتی چلی جاتی ہیں ہم یہ کیوں تصور کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اگر ادل بدل کر اعمال کے فیصلے کرے تب تو وہ کچھ کام کر رہا ہے اور مصروف عمل ہے لیکن اگر وہ خود اپنے پہلے سے مقرر کردہ قوانین کے مطابق حکم صادر فرمائے تو وہ کچھ نہیں کر رہا اور معطل ہے کام تو دونوں صورتوں میں یکساں ہے خواہ نتیجہ مقررہ قوانین کے خلاف پیدا کیا جائے یا متعین طریق کار کے مطابق مزید برآں ہم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ خدا نے جو کچھ پیدا کرنا تھا وہ پیدا کر چکا اور اب عمل تخلیق سے فارغ ہو چکا ہے حالانکہ وہ نت نئی چیزیں پیدا کرتا چلا جا رہا ہے اور ہر دن ایک نئے کام میں مشغول اور نئی شان میں جلوہ گر ہے!

حدیث نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم عنقریب امارت کی لالچ کرو گے لیکن قیامت کے دن ندامت کے باعث ہوگی۔ (رواہ البخاری)

حضرت بشر حافیؒ کی توبہ

(محمد عاصم شاہ)

حضرت بشر حافیؒ اوائل عمر میں شراب خور تھے۔ایک روز آپ بازار میں سے گزر رہے تھے کہ راستے میں کاغذ کا ایک ٹکڑا پڑا دیکھا آپ نے اسے اٹھایا تو اس پر تحریر تھا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اگر چہ آپ اس وقت بھی نشے کے عالم میں تھے تاہم اللہ کے نام کی تعظیم کی خاطر انہوں نے کاغذ کو جھاڑ کر صاف کیا اور خوشبو لگا کر کسی اونچے مقام پر رکھ دیا۔اسی شب ایک بزرگ نے خواب میں "ہاتف" کی آواز سنی۔"بشر کو یہ بشارت دو کہ جس طرح تم نے ہمارے نام پر سے گرد کو جھاڑ کر صاف کیا ہم نے تمہارے گناہوں کو تمہارے نامہ اعمال سے جھاڑ کر گناہوں کو بخش دیا۔ تمہارے قلب کو آلائشوں سے پاک وصاف کر دیا۔اور جس طرح تم نے ہمارے نام کو معطر کیا ہم تمہیں معطر کریں گے۔جسطرح تم نے ہمارے نام کو بلند مقام پر رکھا، ہم تمہیں بزرگی اور ولایت کا اعلیٰ مقام عطاء کریں گے۔"

اس بزرگ نے یہ سوچ کر کہ بشر تو ایک شرابی اور فاسق شخص ہے خواب پر اعتماد نہ کیا۔ اٹھ کر وضو کیا نفل پڑھے پھر سو گئے۔خواب میں پھر وہی ہاتف کی آواز سنی وہ بزرگ پھر اٹھے وضو کیا اور نفل پڑھ کر پھر سو گئے۔خواب میں تیسری بار ہاتف کی یہی آواز سنائی دی پھر ہاتف نے کہا اے اللہ کے بندے یہ بشارت اسی بشر کے لئے ہے جو شرابی اور فاسق ہے تم ہمارا پیغام اسے پہنچا دو۔

صبح وہ بزرگ بشر کی تلاش میں نکلے، معلوم ہوا کہ وہ اس وقت فلاں مقام پر مجلس میں شراب نوشی میں مصروف ہے وہ بزرگ وہیں جا پہنچے دروازے پر کھڑے ہو کر پیغام بھجوایا کہ بشر کو کہو کہ کوئی شخص تمہارے لئے ایک پیغام لے کر آیا ہے باہر آ کر اپنا پیغام سن لو۔

بشرؒ صاحب اس وقت مدہوشی کے عالم میں تھے انہوں نے کہا پیغام لانے والے سے پوچھو کہ وہ کس کا پیغام لے کرآیا ہے ۔بزرگ نے کہا میں اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کرآیا ہوں ۔

بشر کو جب یہ بتایا گیا تو پریشان ہوکر یہ کہتے ہوئے باہرآئے ، ہائے! کیا خبر کہ پیغام عتاب آمیز ہے یا عقاب آلود۔ بزرگ نے پیغام سنایا پیغام سن کر بشر اس قدر متاثر ہوئے کہ اسی وقت شراب نوشی سے توبہ کر لی اور ہر وقت عبادت الٰہی اور ذکر وفکر میں مصروف رہنے لگے تا آنکہ آپ ولایت کے اعلیٰ مقام پر جا پہنچے ۔آپ پر مشاہدہ حق کا اس قدر غلبہ ہوگیا کہ آپ نے جوتا پہننا چھوڑ دیا ہر وقت ننگے پاؤں رہنے لگے اسی وجہ سے آپ کا لقب حافی مشہور ہوگیا یعنی ننگے پاؤں رہنے والا ۔آپ سے لوگوں نے دریافت کیا حضرت! آپ جوتا کیوں نہیں پہنتے ۔؟فرمایا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور ہم نے زمین کو بچھونا بنایا تو احکم الحاکمین کے بچھائے ہوئے بچھونے پر جوتی پہنے رہنا بے ادبی ہے ۔

حضرت بشر حافیؒ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھے کاغذ کے ٹکڑے کی تعظیم کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی دنیا میں ولایت کے مقام پر فائز کرنے کے ساتھ ساتھ مخلوق کے دل میں آپ کی اس قدر تعظیم پیدا کر دی کہ انسان تو درکنار حیوان بھی آپؒ کی تعظیم کرنے لگے چنانچہ جب تک آپ بغداد میں بقید حیات دنیوی موجود رہے اس تمام مدت میں کسی چوپائے نے راستہ میں لید نہ کی کہ مبادا ننگے پاؤں چلتے ہوئے آپؒ کے پاؤں کو لگ جائے ایک دن ایک چوپائے نے راستے میں لید کر دی تو اس کے مالک نے گھبرا کر لوگوں سے کہا آج میرے چوپائے نے راستے میں لید کر دی ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بشر حافیؒ انتقال فرما گئے ہیں ۔لوگ ابھی اس پر رائے زنی میں مصروف ہی تھے کہ یہ خبر مشہور ہوگئی کہ بشر حافیؒ کا انتقال ہوگیا ہے ۔

اللہ کی ناراضی

(اوریا مقبول جان)

پچاس دن کے محاصرے کے بعد دس فروری 1258ء کو ہلاکو بغداد میں داخل ہوا۔ دارالخلافہ گروہوں میں اس قدر تقسیم ہو گیا تھا کہ کسی ایک نکتے پر بھی لوگوں کا اتفاق ناممکن تھا۔ شیعہ اور سنی دو گروہ تو ایسے تھے کہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے قتل و غارت کی ہر حد گزر چکے تھے۔ اعتزال کے بانی واصل بن عطا نے دین کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی جو روایت ڈالی تھی وہ معتزلہ کی صورت میں قد آور درخت بن چکی تھی۔ دوسری جانب خارجی تھے جنہوں نے گناہ کبیرہ تو بڑی بات "معمولی گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کی جان و مال کو مباح، ان کے اموال کو مال غنیمت اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں قرار دے رکھا تھا۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اس دور پُرفتن میں ایمان کی حفاظت کے لئے ترک دنیا کر چکے تھے۔ مسلمان ہلاکو سے پہلے، چنگیز خان کی جارحیت بھی دیکھ چکے تھے۔ لیکن تاتاریوں کا عذاب ان کی آنکھیں کھولنے میں ناکام رہا۔ تاہم کچھ ایسے اشارے ضرور ملتے ہیں کہ انہوں نے اپنی خرابیوں اور فرقہ بندیوں کا علاج ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔ امام غزالیؒ اور مولانا رومؒ اسی دور کی پیداوار تھے۔ لیکن زوال پوری رفتار سے جاری رہا۔ نہ فرقہ بندی میں کمی ہوئی نہ گروہ بندی رُکی۔ قوموں کی تقسیم جب اس سطح پر پہنچ جائے تو پھر کوئی بھی بیرونی خطرہ یا جارحیت انہیں متحد نہیں کر سکتا۔ یہی حال بغداد کا تھا۔ ہلاکو نے دسمبر کے مہینے میں محاصرہ شروع کیا تو چند ہی دنوں بعد شہر کے اکثر لوگ اُس کی طاقت اور قوت سے خوفزدہ ہو کر سازباز کرنے لگے۔ عباسی خلیفہ کا وزیر ابن علقمی ہلاکو کی فتح کے بعد علوی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے خلیفہ کے دل میں ہلاکو کی طاقت کا خوف اسی طرح بٹھایا جیسے

آج کے دور میں امریکہ کی قوت کا خوف دلا کر غیرت وحمیت کا گلا گھونٹنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ خلیفہ صلح کے لیے تحفے تحائف لے کر ہلاکو کے پاس پہنچا۔ ہلاکو نے اس کے خاندان کے افراد کو قتل کرا دیا۔ خلیفہ کا خون مقدس جانتے ہوئے اُسے قالین میں لپیٹ کر روندا گیا تا کہ اُس کا خون زمین پر نہ گرے۔ اس کے بعد کے دن بغداد پر قیامت کے دن تھے۔ تہذیب وثقافت اور علم وعرفان کا مرکز قتل وغارت کا میدان بن گیا۔ تمام وزراء قتل کر دیئے گئے لیکن ابن علقمی کو چھوڑ دیا گیا بغداد کے شہریوں کا قتل عام شروع ہوا۔ اپنے زمانے کی سب سے بڑی لائبریری کو آگ لگا دی گئی۔ بغداد کو خون میں نہلانے کے بعد اُس نے فاتحین کے اسی قاعدے پر عمل کیا کہ جو افراد اپنی قوم کا ساتھ چھوڑ کر فاتح کے گن گانے لگیں، انہیں بدترین انجام سے دوچار کر دو۔ اُس نے بغداد کا حاکم ابن عمران کو مقرر کیا۔ ابن علقمی کو جس نے ہلاکو کی مدد کی تھی۔ اُس کا چپڑاسی مقرر کر دیا۔ عروس البلاد کی حسرتناک تباہی پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔ لیکن تاریخ نے ہلاکو کے ایک فقرے کو ابدی سچ کی صورت میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا ہے۔ <u>ہلاکو جب بغداد میں قتل وغارت کرتے بازار سے گزر رہا تھا تو ایک عورت نے اُس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا "میں بددعا دیتی ہوں کہ اللہ تم پر اپنا عذاب نازل کرے" ہلاکو مسکرایا اور بولا "اللہ کا عذاب تو میں خود ہوں جو تم لوگوں پر نازل ہوا ہے"</u> بظاہر یہ الفاظ ہلاکو کی زبان سے نکلتے ہیں۔ لیکن یہ ایک بہت بڑا تاریخی سچ ہیں۔ جب قومیں گروہوں میں ایسے بٹ جائیں کہ ایک گروہ کو اپنے ظالم؛ ظالم محسوس نہ ہوں اور دوسرے گروہ کے مظلوم، مظلوم نہ لگیں انصاف اور حق گروہ بندی کی آگ میں جلنے لگے قومیں باہم یوں تقسیم ہوں کہ سچ اور جھوٹ کی تمیز ختم ہو جائے۔ تاریخ شاہد ہے کہ پھر اللہ ان پر "ہلاکو" ہی مسلط کرتا ہے۔ روم سے لے کر فارس چین اور فرانس تک ہر قوم کے زوال کی کہانی اٹھا کر دیکھ لیں۔ حقیقت مختلف نہیں روم جیسی عظیم سلطنت کو تو افریقہ کے بربروں نے روند ڈالا تھا۔

ہمارا آج کا حال بغداد سے مختلف نہیں ہے۔ ہمارے ہاں بھی گروہوں میں بٹے لوگ

نسل، رنگ، زبان اور فرقے کی بنیاد پر ایک دوسرے کے قتل کو جائز سمجھنے لگے ہیں۔ آپس کی بحث کا یہ عالم ہے کہ سچ کو ڈھونڈنا ناممکن سی بات نظر آتی ہے۔ بغداد میں ایک ابن علقمی تھا۔ اس ملک میں ہر شہر اور قصبے میں ابن علقمیوں کی بھرمار ہے جو اس خواہش پر زندہ ہیں کہ کوئی بڑی طاقت انہیں اقتدار پر قائم رکھے یا پھر انہیں اقتدار میں لے آئے۔ لیکن ہمارا حال بغداد سے زیادہ ابتر ہے۔ اس لیے کہ ہم زوال کے اس عالم میں ہیں جہاں بستیوں کی بستیاں اللہ کے غضب کا شکار ہو جایا کرتی ہیں ہم اُس دورِ فتن کی علامتوں کے عین مصداق ہیں جو سید الانبیا ﷺ نے بتائی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "لوگوں پر بہت سے سال ایسے آئیں گے جن میں دھوکا ہی دھوکا ہوگا۔ اُس وقت جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا سمجھا جائے گا۔ بددیانت کو امانت دار اور امانت دار کو بددیانت۔ رویبضہ قوم کی جانب سے نمائندگی کریں گے۔ <u>سوال کیا گیا۔ رویبضہ سے کیا مراد ہے فرمایا وہ نااہل اور بے قیمت لوگ جو عوام کے اہم معاملات میں رائے زنی کریں (ابن ماجہ)</u> ایک اور جگہ فرمایا۔ قیامت تب ہوگی۔ جب امانت اٹھ جائیگی۔ اعرابی نے سوال کیا، امانت اٹھ جانے کی صورت کیا ہوگی۔ فرمایا جب اختیارات نااہلوں کے سپرد ہو جائیں تو قیامت کا انتظار کرو (بخاری) کیا ہماری یہ حالت نہیں ہے۔ کیا رسول ﷺ کے ارشادات کے مطابق ہم اُس دورِ فتن میں داخل نہیں ہو چکے۔ جب اس دنیا میں حق و باطل کا آخری معرکہ برپا ہونے والا ہے۔ جس کے بارے میں مخبر صادق ﷺ نے حق کی فتح کی پیش گوئی کی ہے۔ لیکن کیا حق کی فتح اُس قوم کے ہاتھوں سے ہوگی جو بغداد کے اُس دور کی طرح آپس میں بٹی ہوئی ہوگی جب ہلاکو آیا تھا۔ ہم اس قدر تقسیم ہیں کہ حرمت رسول ﷺ ایک ایسا نکتہ تھا جس پر چودہ سو سال سے اُمت کا ہر گروہ متفق تھا۔ اسے اپنی آخرت کے لیے نجات کا ذریعہ سمجھتا تھا۔ سب کو اپنی پہچان بھول جایا کرتی تھی لیکن ہمیں تو اس پر احتجاج کرتے ہوئے بھی اپنے اپنے جھنڈے لہرانے یاد تھے۔ اپنے اپنے مسلک کی ریلیاں، علیحدہ علیحدہ دنوں میں نکالنا یاد تھیں۔ اس کے گروہوں کو اپنی اپنی تعداد اپنے اپنے جلوسوں کی

کثرت کا احساس ہوتا رہا۔یہ وہ حیران کن قوم ہے جس کا ہر ایسا شخص جس کے اپنے ہاتھ بے گناہوں کے خون سے رنگے ہوتے ہیں۔دوسروں کو ظالم اور گردن زدنی قرار دیتا ہے۔بغداد میں تو ایک دوسرے کے ساتھ بحث کرتے مہینوں گزار دیتے تھے۔مناظرہ بازی میں تقسیم تھے۔ لیکن یہاں تو بحث نام کی چڑیا کا کوئی تصور تک موجود نہیں۔دشمن کی زبان فوراً بند کرانے کی تدبیر کی جاتی ہے۔یہاں مذہب،زبان،نسل اور علاقے کی بنیاد پر سینکڑوں لوگوں کا خون سڑکوں کو رنگین کر چکا ہے۔کہنے کو یہ انتظامی مسئلہ ہے لیکن دین کی تاریخ اس کی یکسر مختلف توجیہہ پیش کرتی ہے مدینہ کے لوگ جب آپ ﷺ کو اپنے ہاں لینے کے لیے آئے تو انہوں نے ایک ہی وجہ بتائی کہ ہمارے درمیان قتل وخون ریزی بہت بڑھ چکی ہے۔آپ ہمارے درمیان تشریف لے آئیں تا کہ اللہ ہمیں امن عطا کر دے۔اور اللہ قرآن میں فرماتا ہے کہ ہم نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا۔ طالبان سے لے کر ملالہ یوسف زئی تک کراچی سے لے کر بلوچستان تک سب جگہ تدبیروں کی باتیں ہوتی ہیں۔سب سمجھتے ہیں کہ ہم قابو پالیں گے ہم کچل دیں گے ہم امن قائم کرلیں گے۔ بستیوں پر عذاب کی علامت یہ ہوتی ہے کہ کوئی اُس قادر مطلق سے رجوع نہیں کرتا جو دلوں کو جوڑتا ہے جو خوف میں امن دیتا ہے۔جب بستیوں کی بستیاں اپنے زور بازو پر اعتبار کرنے لگ جائیں اور اللہ سے مدد کی طالب نہ ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت حالت یہ ہوگی کہ مومن اپنے بھائیوں کے لیے دعا کرے گا اور قبول نہیں کی جائیگی۔اللہ فرمائیں گے تو اپنے لیے دعا کر میں قبول کرلوں گا۔لیکن عام لوگوں کے حق میں دعا نہ کر،کہ انہوں نے مجھے ناراض کرلیا ہے (کتاب الرقائق) کیا اس مملکت خداداد میں ہمارے نیک لوگوں کی دعائیں قبول ہو رہی ہیں۔وہ تو اللہ سے امن وعافیت کی بھیک مانگتے تھک چکے ہیں۔اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم غضب الٰہی سے بچ جائیں۔ہماری دعائیں قبول ہونے لگیں تو پھر ہمیں اُس طرح بننا پڑے گا کہ جس طرح وہ لوگ تھے جن کی دعائیں بارہ گاہ الٰہی میں بار پاتی تھیں۔۔

نظم

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

(انتخاب:غلام یٰسین شاہ)

خــــــرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

ہر ایک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ، ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

گراں بہا ہے تو حفظِ خودی سے ہے ورنہ
گہر میں آبِ گہر کے سوا کچھ اور نہیں

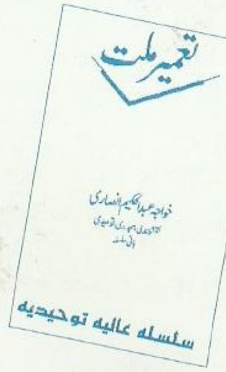
رگوں میں گردشِ خوں ہے اگر تو کیا حاصل!
حیات ، سوزِ جگر کے سوا کچھ اور نہیں

عروسِ لالہ! مناسب نہیں ہے مجھ سے حجاب
کہ میں نسیم سحر کے سوا کچھ اور نہیں

جسے کساد سمجھتے ہیں تاجرانِ فرنگ
وہ شے متاعِ ہنر کے سوا کچھ اور نہیں

بڑا کریم ہے اقبال بے نوا لیکن !
عطائے شعلہ شرر کے سوا کچھ اور نہیں

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیاہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیاہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

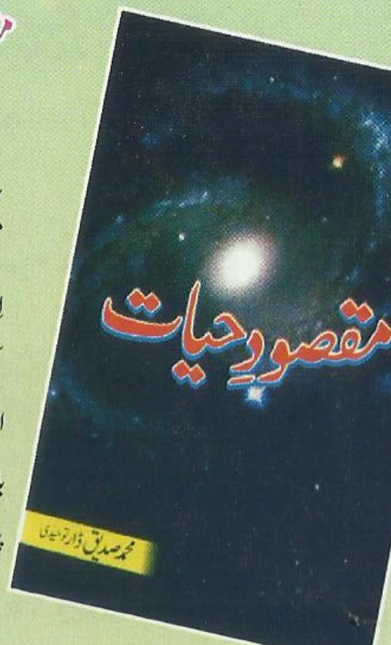


یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

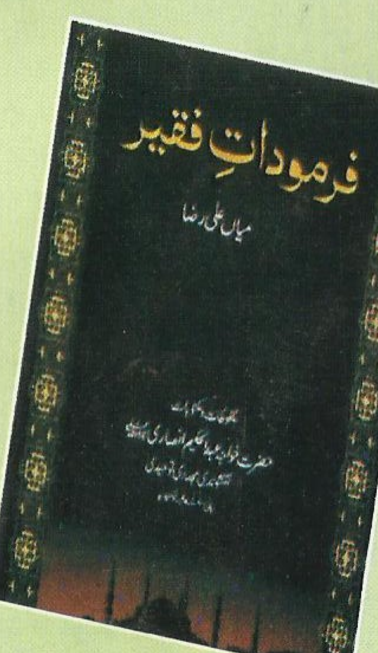


مقصودِ حیات

مصنّف: محمد صدیق ڈار توحیدی (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

یہ کتاب شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے سالانہ خطبات پر مشتمل ہے۔ جو انہوں نے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے۔ اِس میں تصوّف کی تعلیمات کو قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ تصوّف اسلام اور قرآن سے باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عین قرآن کے احکامات کا نام ہے اور قرآن جس طرح کے بندۂ مومن کی تصویر پیش کرتا ہے وہ بلاشبہ ایک سچے صوفی کا ہی روپ ہے۔ قرآن پاک کے حقیقی پیغام کو آسان پیرائے میں سمجھنے کیلئے یہ کتاب سالکانِ راہِ حق کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

فرموداتِ فقیر　　مرتب: میاں علی رضا



بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ، خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اور آپکے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خانؒ کی سوانح حیات کیساتھ اس کتاب میں قبلہ انصاری صاحبؒ کی مجالس کا تذکرہ اور اپنے مریدوں کو مختلف اوقات میں لکھے ہوئے خطوط شامل کئے گئے ہیں۔

قبلہ حضرت کی مجالس میں بیان کیے گئے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت سبق آموز اور راہ سلوک کے مسافروں کے علاوہ عام قارئین کیلئے بھی یکساں دلچسپی کا باعث ہیں۔ آپکے لکھے ہوئے جوابی خطوط میں بھائیوں کیلئے دینی و دنیاوی اور روحانی مشکلات کے حل کا سامان موجود ہے۔ نہ صرف اِن کیلئے جن کو یہ خطوط لکھے گئے بلکہ اب بھی ہر پڑھنے والے کیلئے فائدے کا سبب ہیں۔

Reg: CPL - 01
Website:www.toheedia.net